باپ کی نصیحت
بیٹی کے نام

یہ کتاب ہر باپ کو اپنی بیٹی کے جہیز میں دینی چاہیئے

مولف سید حبیب الحسن قادری
وکیل ہائی کورٹ بھوپال (انڈیا)

تسہیل و تصحیح محمد نعیم اللہ خاں قادری
بی ایس سی، بی ایڈ، ایم اے اردو، پنجابی، تاریخ

نظر ثانی
مولانا مفتی محمد اشرف جلالی

یہ قیمتی کتاب ہر باپ کو اپنی بیٹی کو جہیز میں دینی چاہیے

مؤلفہ

مولانا سید حبیب الحسن قادری صاحب

وکیل ہائی کورٹ بھوپال

تسہیل و تصحیح

محمد نعیم اللہ خاں قادری

بی ایس سی، بی ایڈ، ایم اے اردو، پنجابی، تاریخ

نظر ثانی

مولانا مفتی محمد اشرف جلالی

جلالیہ پبلی کیشنز بھکھی شریف (منڈی بہاؤالدین)
0333-8173630, 0333-8111272

نام کتاب	باپ کی نصیحت بیٹی کے نام
مؤلف	مولانا سید حبیب الحسن قادر صاحب (وکیل ہائی کورٹ بھوپال)
تسہیل وتصحیح	محمد نعیم اللہ خاں قادری (بی ایس سی۔ بی ایڈ ایم اے اردو)
نظرثانی	مولانا مفتی محمد اشرف جلالی
بااہتمام	شیخ محمد سرور اویسی
تعداد	1100
سن اشاعت	6 دسمبر 2008ء
صفحات	64

جہیز ایڈیشن: 40 روپے

ملنے کے پتے

جامعہ جلالیہ رضویہ لاہور / مکتبہ فیضان مدینہ گھکڑ
مکتبہ فکر اسلامی کھاریاں / رضا بک شاپ گجرات
مکتبہ مہریہ رضویہ کالج روڈ ڈسکہ
مکتبہ رضائے مصطفٰے چوک دارالسلام سرکلر روڈ گوجرانوالہ
مکتبہ حافظ الحدیث بھکھی شریف / اویسی بک سٹال گوجرانوالہ

صراط مستقیم پبلی کیشنز 6 مرکز الاولیس دربار مارکیٹ لاہور 0321-9407699

تعارف

اس مضمون کے مطالعہ نے مجھ پر غیر معمولی اثر کیا اور اس کے بعض حصوں کو پڑھ کر مجھ پر رقت طاری ہوگئی۔ میں نے اطمینان و سکون کے ساتھ اس مضمون کی نسبت یہ رائے قائم کی ہے کہ قابل مضمون نگار سید حبیب الحسن صاحب قادری ایک ماہر نفسیات شخص ہیں جنھوں نے آج کل کی عورتوں کی افتاد طبیعت پر غیر معمولی بصیرت حاصل کر کے اس مضمون کو لکھا ہے۔

لائق مضمون نگار نے واقعہ یہ ہے کہ ایک بڑے تبلیغی فرض کو ادا کیا ہے اور شواہد و دلائل سے عورتوں کو اُن فرائض سے آگاہ کیا ہے جو بحیثیت بیٹی، بیوی اور ماں کے خداوند تعالے اور علمائے اُمت نے اُن پر عائد کئے ہیں۔ اس موضوع پر بہت سی تحریریں اشاعت پا چکی ہیں لیکن یہ مضمون اس نوعیت سے بہت زیادہ قابلِ قدر ہے کہ اس کا طرزِ تحریر سادہ، دل آویز، دل نشین اور اس قدر عام فہم ہے کہ معمولی تعلیم یافتہ انسان بھی اس سے پورا پورا فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔

میرے خیال میں یہ مضمون جس کو کتابی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے اس قابل ہے کہ ہر عورت خواہ وہ لڑکی ہو، یا بیوی، یا ماں اس کو توجہ سے پڑھے اور جو باتیں اس میں بتائی گئی ہیں اُن کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنا لے۔ اگر ایسا کیا گیا تو مجھ کو یقین ہے کہ میاں بیوی میں آئے دن جو نزاع رہتی ہے اور نا سمجھ و نا عاقبت اندیش عورتوں کی وجہ سے آباد گھروں میں بربادی و تباہی، پریشانی و بدحواسی اور افکار و آلام کے جو مناظر نظر آتے ہیں اور جن سے کوئی گھر خالی نہیں ہے ان سے قطعی نجات مل جائے اور خاندانی انتشار و افتراق، اتحاد و اتفاق میں تبدیل ہو

جائے۔ رسالہ مختصر مگر اس قدر جامع ہے کہ عورت کے لئے دین اور دنیا دونوں کی بھلائی کے زریں اصول اس میں جمع کر دیئے گئے ہیں اور کوئی ضروری بات چھوڑی نہیں گئی ہے۔

میں والدین کو یہ مشورہ دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ وہ اس رسالہ کی ایک ایک کاپی اپنی لڑکیوں کو جہیز میں دیں اور جہیز کی سب سے قیمتی چیز اسی کو سمجھیں، اور جب لڑکیاں اردو پڑھنے لگیں تو اس رسالہ کو ان کی تربیت کے لئے اہم جزو خیال کیا جائے۔ اس کا مطالعہ ان پر لازم قرار دیا جائے۔ اس کا ایک حصہ روزانہ ان کو پڑھایا جائے۔ ہر بات کو گردوپیش کے واقعات سے تشریح کے ساتھ سمجھایا جائے اور وقتاً فوقتاً امتحان کے طور پر ان سے رسالہ کے بعض مضامین کو دریافت کیا جائے تاکہ اس طرح ہر بات اُن کے دل و دماغ میں محفوظ ہو جائے۔ صرف یہی نہیں بلکہ والدین کا فرض یہ بھی ہونا چاہئے کہ جن باتوں کو رسالہ میں بتایا گیا ہے، لڑکیوں کو ان کے مطابق زندگی بنانے کی ہدایت کی جائے اور جو بات اس کے خلاف نظر آئے اس پر ان کو ٹوکا جائے۔

خداوند تعالیٰ مؤلف رسالہ کی سعی مشکور فرمائے اور جس جذبہ کے ماتحت انہوں نے اس کو لکھا ہے وہ پورا ہو۔

(مورخ اسلام) آغا رفیق بلند شہری

بیٹی کا بچھڑنا

مشرق کی تہذیب میں یہ رواج ہے کہ جب بیٹی رخصت ہوتی ہے اُس وقت ہر شخص (خواہ وہ بیٹی اُس کی نہ ہو) روتا ہے۔ میں نے تو یہاں تک دیکھا ہے کہ بیٹی کے باپ کے دشمن کو جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ میرے فلاں دشمن کی بیٹی اس وقت رخصت ہو رہی ہے تو وہ بھی دوڑا ہوا رخصت کے وقت شریک ہو جاتا ہے۔ کیونکہ تہذیب یہ بتلاتی ہے کہ دشمن خواہ اپنی بیٹی کی شادی میں نہ بلائے لیکن اُس بیٹی کو اپنی بیٹی سمجھ کر شریک ہو جانا چاہیے۔ بوقت رخصت دشمن بھی روتا ہے اُسی وقت کے لئے یہ تاثرات ہیں۔

عبدالحق فاروقی

کیوں آج نظر آتا ہے ہر شخص پریشاں
ہر قلب ہے غمگین، ہر اک آنکھ ہے گریاں
ڈولا لگا دروازے پہ، رخصت کا ہے ساماں
"بالم" کے ترانہ سے اُڑے جاتے ہیں اوساں
چھٹتا ہے کوئی باپ کسی نورِ نظر سے
کیا آج کوئی بیٹی بچھڑتی ہے پدر سے

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

مَکْتُوْبُ حَبِیْبٍ کَتَبَہٗ اِلٰی بِنْتِہٖ فَاطِمَۃ

باپ کی نصیحت بیٹی کے نام

اے راحتِ جان!

آخر آج وہ دن آ گیا، جس کا مدّت سے انتظار تھا۔

والدین کے لئے اس سے بڑھ کر المناک، دردانگیز، ضبط وتحمل کی آزمائش میں ڈالنے والا کوئی واقعہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے کلیجے کے ٹکڑے کو پالیں اور جوان کر کے دوسرے کے سُپرد کر دیں۔

لیکن، اے دنیا جہان کی نازوں کی پالی لڑکیو!

کیا ماں باپ اس بارہ میں مختار اور آزاد ہیں،

کیا اُن کے بَس اور قابو میں ہے کہ ایسا نہ کریں، افسوس ہے کہ ایسا نہیں، وہ مجبور ہیں کہ جب کوئی لڑکی سنِ شعور کو پہنچ جائے تو کلیجے پر پتھر کی سِل رکھ کر اس کا داغِ مفارقت (جُدائی کا صدمہ) برداشت کریں۔

جن لوگوں کو اللہ پاک نے بیٹے اور بیٹیاں زیادہ تعداد میں دی ہیں اُن کی نسبت تو یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ بیٹوں کی موجودگی میں بیٹی کی کم پرواہ ہوگی، بیٹوں کی دُلہنیں لا کر وہ اپنے گھر کو آباد کر سکتے ہیں مگر جن لوگوں کے گھر میں صرف ایک ہی لڑکی ہے، وہی اکلوتی اس گھر کی رونق، وہی ماں باپ کے مشترکہ جذباتِ

محبت کی مرکز، وہی ان کی دھن، دولت، جائداد، املاک کی واحد مالک ووارث،
ایسی بیٹی کے والدین بھی تو آخر بیٹی کو نہیں رکھ سکتے۔

کم معاش والے ماں باپ کے متعلق یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ بیٹی کے مصارف (اخراجات) برداشت نہیں کرسکتے، اس لئے اُس کو اپنے گھر سے رخصت کر کے اپنے سر کا بوجھ ٹالتے ہیں، مگر جن کو خدا نے ثروت ودولت سے مالا مال کیا ہے وہ کیوں ایسا کرتے ہیں۔ کوئی بادشاہ، کوئی دولت مند تاجر، کیا ایسا بتایا جاسکتا ہے جس نے بیٹی کا بیاہ نہ کیا ہو، جس نے اپنے دل کی ٹھنڈک اور آنکھوں کے نور کو دوسرے کی کنیزی میں نہ دیا ہو؟

اس سے پایا جاتا ہے کہ۔

مجبور سب ہیں لختِ جگر کے وِداع پر
سلطانِ وقت ان میں ہو یا ہو کوئی گدا

پھر اس میں کسی ملک، کسی تہذیب، کسی ملت کی قید نہیں، کرۂ ارض پر جہاں جہاں نوعِ انسانی پائی جاتی ہے، خواہ اُن کا مذہب ومشرب کچھ ہی ہو، سب اس قاعدے کے پابند، اس رسم پر عمل کرتے پائے جاتے ہیں کہ اِدھر اُن کی لڑکی جوان ہوئی اُدھر انھوں نے اُس کے لئے سُسرال کا ناطہ جوڑا۔

اسلام نے اصلاحِ معاشرتِ انسانی کے نظام پر جب توجہ کی تو کائناتِ ارضی میں اشرف المخلوقات کی یہ نصف آبادی ایسی ناپُرسانی اور کسمپرسی کی حالت میں پائی کہ آج بھی اُس کا تصور کرنے سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

غضب خدا کا کہ معابد ومنادر (عبادت خانوں، مندروں) میں اُس کو نہ آنے دیتے تھے، گویا عورت کو اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت کی

بھی اجازت نہ تھی۔

قیامت تھی کہ ماں باپ کی متروکہ جائداد میں بیٹی کا کوئی حصہ نہ تھا، نفرت و اسکراہ کی انتہا یہ تھی، کہ شیطان کی آلہ کار، سانپ کی پھنکار کے نام سے وہ پکاری جاتی تھی۔

بعض مذاہب و ممالک میں تو عورت میں رُوح کے وجود ہی سے انکار کیا جاتا تھا۔

عرب و ہند میں تو یہ بے گناہ ہستیاں زندہ درگور کر دی جاتی تھیں۔

عورت قعرِ مذلت میں تھی، اسلام نے اُس کو اوجِ رفعت پر پہنچا دیا۔ کس طرح اور کیونکر؟ تفصیل کا تو موقع نہیں مگر مختصر یہ ہے کہ۔

اسلام نے سب سے پہلے لڑکیوں کے قتل کو روکا اور اس فعل کو ایک سخت گناہ ٹھہرایا:۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ ۔ اِنَّ قَتْلَهُمْ کَانَ خِطْاً کَبِیْرًا۔

(پ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۳۱)

اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ اِن کا قتل سخت گناہ ہے۔

پھر عورت کی دینی حیثیت واضح کی، مرد جو نجات اور مغفرت کا اپنے کو ٹھیکیدار سمجھے بیٹھے تھے، اُن کی آنکھیں کھولنے کے لئے ارشاد فرمایا:۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ؕ

(پ ۲۶ سورہ الحجرات آیت نمبر ۱۳)

اے گروہ انسانی! ہم نے تمہاری تخلیق ہی مرد و عورت کے اشتراک سے کی ہے اور یہ جو گھرانے اور قبیلوں کی تقسیم ہے یہ تو محض ذریعہ شناخت ہے، اللہ کے

نزدیک تم میں سے (مرد ہو یا عورت) وہ قابلِ عزت ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو، اور تحقیق اللہ پاک ہی علم وخبر رکھتا ہے، کہ کون زیادہ پرہیزگار ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (پ۱۴ سورہ النحل آیت نمبر ۹۷)

جس نے نیک عمل کئے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ صاحب ایمان ہو، اسکی زندگی بھی پاک زندگی ہوگی اور اسکے اعمال کا عوض بھی اس کو اچھا ہی دیا جائے گا۔

یوں دینی حیثیت سے عورتوں کو مردوں کے دوش بدوش کر کے اصلاح معاشرت اور عمرانی ارتقا کے لحاظ سے عورت کی تین حیثیتیں قائم کیں۔

۱۔ بیٹی ۲۔ بیوی ۳۔ ماں

جب تک عورت ماں باپ کے زیرِ سایہ رہتی اور میکے سے اُس کا تعلق قائم ہے، لڑکی ہے۔

جب وہ سنِ شعور کو پہنچی، دنیا کے دستور کے مطابق اُس کا ہاتھ کسی مرد کے ہاتھ میں دیا گیا، اور وہ میکے سے رخصت ہو کر سسرال پہنچی، بیوی بنی اور جب خدا نے اُس کو اولاد جیسی نعمت سے نوازا، ماں کہلائی۔

عورت کی پہلی حیثیت

"بیٹی"

یہ عام تاثرات تھے کہ لڑکی کی ولادت کی اطلاع ہی سے ماں باپ کے چہروں پر سیاہی دوڑ جاتی تھی اور اُن کا دل محزون و مغموم (غمگین، رنجیدہ) ہو جاتا تھا۔

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ

(پ ۱۴ سورہ النحل آیت نمبر ۵۸)

اور جب اُن میں سے کسی کو لڑکی کی ولادت کی بشارت دی جاتی ہے تو اُس کا چہرہ تاریک ہو جاتا ہے اور وہ مغموم ہو جاتا ہے:۔

اسلام نے ان جذبات کو سخت ناپسند کیا، مسلمانوں کو حکم دیا کہ جس کسی نے لڑکی کی اچھی طرح پرورش کی اس نے خدا کی رضامندی حاصل کی اور جنت کا حق دار ہو گیا۔

جو جان و دل سے کرتے ہیں لڑکی کی پرورش
جنت میں گھر بناتے ہیں وہ اپنا لا کلام

لڑکوں کے مقابلہ میں لڑکی کی پاسداری کم کی جاتی تھی، ارشاد ہوا کہ جب لڑکے اور لڑکی میں تحائف تقسیم کیا کرو تو اُس کی ابتداء لڑکی سے کرو،

والدین کی متروکہ جائداد میں لڑکی کا حصہ مقرر کر دیا۔

بعض نادان یہ کہہ دیتے ہیں کہ لڑکے کے مقابلہ میں لڑکی کا نصف حصہ مقرر کرنے میں اسلام نے لڑکی کی حق تلفی (کسی کا حق مار لینا) کی۔

لطف یہ ہے کہ ایسا اعتراض اُن لوگوں کی جانب سے کیا جاتا ہے جو لڑکی کو کچھ بھی نہیں دیتے، اس کی شخصیت اور نام تک غصب کر لیتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ بھائی کے مقابلہ میں بہن کا حصہ نصف رکھا گیا ہے مگر وہ بھائی سے جدا ہوتے ہی ایک معتد بہ (معقول) رقم (مہر) کی واحد مالک ہو کر سُسرال جاتی ہے اور وہاں شوہر کی جائداد میں بھی حسبِ حالات 1/4 یا 1/8 حصہ کی حقدار ہوتی ہے۔

اِن حالات میں وہ بھائی سے کسی طرح خسارہ (نقصان) میں نہیں رہتی۔

پھر ان مصالح پر نظر ڈالی جائے کہ کیوں بھائی کو بہن سے دوگنا حصہ شریعت نے دلایا ہے، تو ذرا غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ بھائی کے ذمہ بیوی کے مہر کے علاوہ بیوی اور بچوں کی کفالت بھی ہے:۔

اور بہن اور اُسکے بچوں کے نفقہ (خرچ) کا ذمہ دار علاوہ رقم مہر کے دوسرا کوئی مرد ہی ہوتا ہے۔ اس لئے شریعت نے جو کچھ اس کو دلایا ہے وہ کہنے کے لئے تو آدھا ہے مگر حقیقت میں بھائی سے کہیں زیادہ ہے:۔

غرض مسلمانوں میں جب تک لڑکی اپنے والدین کے زیرِ حمایت و سرپرستی رہتی ہے اسکی خاطر داری (تواضع، آؤ بھگت) راحت رسانی، عزت، تکریم پر ہر پرستار تو حید از رُوئے شریعتِ اسلام مجبور اور مکلّف (تکلیف دیا گیا) ہے۔

اور اس کا تجربہ تم خود اپنی اور اپنی بعض بے تکلف سہیلیوں کے حالاتِ زندگی سے کر سکتی ہو، کہ اُن کے اور تمہارے ساتھ تمہارے والدین اور بھائیوں کا کیا سلوک رہا:۔

اسی سے عام مسلمانوں کی بچیوں کے متعلق قیاس کیا جاسکتا ہے،

عورت کی دُوسری حیثیت

"بیوی"

میکے سے رخصت ہو کر (جیسا کہ اُوپر ظاہر کیا گیا ہے) مہر کی مالک اور سُسرال کی املاک کی حصہ دار بن کر خوش نصیب لڑکی سسرال پہنچتی اور بیوی کی حیثیت حاصل کرتی ہے۔

بیوی کا لقب ہی اس کو واضح کرتا ہے کہ اب اُس کا تعلق ایک شوہر اور شوہر کے گھر سے ہے:۔

اس لئے سب سے پہلے اللہ بزرگ و برتر کا ارشاد سُن لو۔ مردوں کو مخاطب کر کے فرمایا جاتا ہے:۔

لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً ط (پ ۲۱ سورہ الروم آیت نمبر ۲۱)

(لوگو!) اپنی عورتوں سے تسکین وراحت حاصل کرو، ہم نے تم دونوں کے درمیان محبت واُلفت کا رشتہ قائم کر دیا ہے۔

جناب رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم فرماتے ہیں:۔

(۱) خِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَاءِهِمْ تم میں بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کے حق میں بہتر ہو:۔

(۲) اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا مجھ سے وصیت قبول کرو عورتوں کے بارہ میں نرمی اور بھلائی کی:۔

(۳) مَا اسْتَفَادَ الْمُؤْمِنُ بَعْدَ تَقْوَى اللّٰهِ خَيْرٌ مِنْ زَوْجَةٍ الصَّالِحَةِ

مومن کے لئے تقویٰ الٰہی کے بعد کوئی نعمت نیک سیرت بیوی سی بڑھ کر نہیں۔

(۴) اِنَّمَا الدُّنْیَا مَتَاعٌ وَّلَیْسَ مِنْ مَّتَاعِ الدُّنْیَا اَفْضَلُ مِنَ الْمَرْاَۃِ الصَّالِحَۃِ

دنیا چند روزہ ہے لیکن اِس چند روزہ عیشِ دنیا میں کوئی شے نیک سیرت بیوی سے بڑھ کر نہیں۔

(۵) خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ

تم میں بہترین انسان وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے حق میں بہتر ہو، مجھے دیکھو اپنے گھر والوں کے حق میں بہتر ہوں:۔

تم نے دیکھا کہ اللہ پاک نے مردوں کو یہ بشارت دیتے ہوئے کہ ہم نے اپنے طرف سے اس رشتۂ ازدواج میں محبت واُلفت تو خود ہی ودیعت کردی ہے، اب یہ تمہارا کام ہے کہ اپنی بیویوں سے تسکین وراحت حاصل کرو، عورتوں کی کیسی پُرزور سفارش فرمائی ہے:۔

جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد اول میں مرد کے اچھے اخلاق اور بہتر ہونے کو اس سے مشروط کردیا ہے کہ وہ اپنی عورتوں کے حق میں اچھا اور بہتر ہو۔ کوئی مرد اگر اپنی بیوی کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش نہیں آتا تو وہ خدا اور اُسکے رسول کے نزدیک اچھا قرار نہیں پاسکتا:۔

دوسرے ارشاد میں عورتوں کے ساتھ نرمی کرنے کی وصیت فرمائی ہے۔

حضور والا کی محبت جزِ ایمان ہے، وہ کون مسلمان ہوگا جو حضور کی وصیت کی تعمیل کو اپنے لئے سرمایۂ آخرت اور وسیلۂ مغفرت نہ سمجھے اور کس مسلمان کی جرأت ہوسکتی ہے کہ اسکے خلاف کرکے اپنی آخرت خراب کرے:۔

تیسرے ارشاد میں مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ تقویٰ الٰہی کے بعد کوئی نعمت

نیک سیرت بیوی سے بڑھ کر نہیں۔

اب اس نعمت کی ناقدردانی کرنا کسی مسلمان سے تو نہیں ہو سکتا:۔

چوتھے ارشاد میں فرمایا ہے کہ اگرچہ دنیا چند روزہ ہے مگر یہاں کے لذائذ و نعائم (نعمتوں) میں (جو اگرچہ عارضی ہیں) کوئی بھی شے نیک سیرت بیوی سے بڑھ کر نہیں، پانچویں حدیث میں اگرچہ ابتدائی الفاظ وہی ہیں جو حدیث اوّل میں آ چکے ہیں مگر آخری ٹکڑے میں خود حضور انور ﷺ نے اپنے طریقِ عمل کو واضح کر کے ترغیب و تشویق (شوق دلانا) کے جذباتِ خفتہ (سوئے ہوئے) کو بیدار فرما دیا ہے۔

حضور ﷺ کا ازواجِ مطہرات کے ساتھ کیسا برتاؤ تھا، اس کی پوری تصویر ان الفاظ کے ساتھ ہی نظروں کے سامنے کھنچ جاتی ہے۔

"مجھے دیکھو، میں اپنے گھر والوں کے حق میں بہتر ہوں"

کتبِ احادیث میں اَن گنت (بے شمار) واقعات درج ہیں، ان میں سے ایک چھوٹا سا واقعہ حضور کے طریقِ عمل کی توضیح (کھول کے بیان کرنا) کے لئے دَرج کئے دیتا ہوں۔

راوی اس کی حضور ﷺ کی زوجہ محترمہ اور تمام مسلمان مردوں کی ماں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

فرماتی ہیں کہ ایک شب حضور ﷺ میرے بستر سے بآہستگی اُٹھے، دَبے پاؤں چلے، دروازہ بے آواز کھولا، اور باہر تشریف لے گئے۔

آگے روایت میں یہ ہے کہ حضور والا جنت البقیع میں زیارت قبور اور ایصال ثواب کے لئے تشریف لے گئے تھے۔

اس تحریر کی مناسبت سے قابل تذکرہ باتیں اسی قدر ہیں کہ یہ باآہستگی اٹھنا، دبے پاؤں چلنا، کواڑ (در، پٹ) بے آواز کھولنے کی کوشش حضور والا نے کیوں کی؟ اپنا گھر تھا جس طرح چاہتے اٹھتے، چلتے اور تشریف لے جاتے، لیکن ہر بات اور ہر حرکت میں یہ التزام (کسی بات کو لازم کر لینا) اور اہتمام کیوں تھا؟ کہ آہٹ نہ ہو، محض اس لئے کہ رفیقۂ حیات (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) کی خوابِ راحت میں خلل نہ آئے۔

اس چھوٹے سے واقعہ سے حضور ﷺ کی حیات طیبہ کے اس مخصوص حصہ پر کہ ازواجِ مطہرات کیساتھ حضور کا برتاؤ کیسا تھا، کافی روشنی پڑتی ہے۔

حضور والا کی حیاتِ اقدس کی تقلید ہر مسلمان کا فرض ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (پ ۲۱ سورہ الاحزاب آیت نمبر ۲۱)

دنیا سے رحلت (کوچ کرنا) فرماتے ہوئے بھی حضور والا نے عورت کی مظلومیت کو فراموش نہیں فرمایا، مردوں کو اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کی سفارش فرمائی، ان نصائح و وصایا کے باوجود جنابِ رسالت مآب ﷺ نے عورت کی اصلی حیثیت کو جو اُس کی شوہر کے گھر میں ہونا چاہئے، اس طرح واضح فرمایا ہے، اور حق تو یہ ہے کہ حکومت کا تاج عورت کے سر پر رکھ کے امارت کی باگ ہی اُس کے ہاتھ دے دی ہے۔

اَلْمَرْاَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا۔

عورت اپنے شوہر کے گھر پر حاکم ہے۔

اب بتاؤ ایک گرہست (سگھڑ، کفایت شعار، سلیقہ مند) کی وہ کونسی آرزو باقی رہ جاتی ہے جو اسلام نے احسن طریقہ سے پوری نہیں کر دی۔

عورت کی تیسری حیثیت

"ماں"

جب فضل ایزدی (خدا کے فضل) سے عورت دولت اولاد سے مالا مال ہو کر ماں کا رتبہ حاصل کرتی ہے تو اسلام اس کو رفعت (بلندی، عزت) کی انتہائی منزل پر پہنچا دیتا ہے کہ خدا کی عبادت اور رسول کی اطاعت کے بعد اسلام میں ماں سے زیادہ کوئی ہستی واجب الاحترام اور ماں سے زیادہ کوئی شخصیت معزز اور مقدم نہیں، حضور پیغمبر ﷺ فرماتے ہیں۔

اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ اُمَّهَاتِكُمْ

جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

کسی صحابی نے عرض کیا کہ "میں نے اپنی ماں کو سات حج اس طرح کرائے ہیں کہ بوجہ ضعیفی اُس کو اپنے کاندھے پر سوار کرا کے لے گیا اور واپس لایا ہوں اب تو میں اُس کے حق سے ادا ہو گیا"

ارشاد ہوا کہ "ابھی تو تم اس کا عوض بھی نہیں کر سکے کہ اس نے تمہیں گیلے سے اٹھا کر سُوکھے میں سُلایا تھا"

ایک دوسرے موقع پر آیا ہے کہ بڑا بدبخت ہے، جس کو ماں باپ یا ان میں سے کسی کا سایہ نصیب ہو اور وہ اپنی مغفرت نہ کرا لے۔

قرآن مجید میں کئی جگہ ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک کا حکم بڑے ہی موثر پیرایہ میں دیا گیا ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَانًا ط (پ ۲۶ سورہ الاحقاف آیت نمبر ۱۵)

اور انسان کو وصیت کی گئی ہے کہ اپنے والدین کیساتھ احسان کرے۔
اولاد کو حکم دیا گیا کہ والدین کی مغفرت کے لئے دعا کیا کریں اور اس ارشاد میں
یہ بھی یاد دلایا گیا کہ کیوں وہ اس دعا کے مکلّف (تکلیف دیئے گئے) بنائے گئے۔
رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا (پ۱۵ سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر۲۴)
اے اللہ ان (ماں باپ) پر رحم فرما، جیسا کہ بچپن میں انہوں نے شفقت
سے میری پرورش کی۔
اس پر بھی بس نہیں، فرمایا:۔
پروردگارِ عالم کا بھی شکرادا کرو اور اپنے والدین کے بھی شکر گزار ہو۔ اللہ
اللہ ماں باپ کی عظمت ورفعت کی کوئی انتہا ہے، کہ خدائے پاک اپنی شکر گزاری
کے ساتھ ماں باپ کی شکر گزاری کا بھی حکم دیتا ہے۔
ان حالات میں تم خود غور کرو اور انصاف سے دیکھو کہ خدا کو ماننے والا،
رسول کا پہچاننے والا، اپنی مغفرت ونجات کا آرزومند کون ایسا مسلمان ہوگا
جو ماں باپ کی فرمانبرداری میں قصور اور اُن کی رضامندی حاصل کرنے میں
کوتاہی کرے گا؟
یہ جو کچھ لکھا گیا، اُن احساناتِ عظیم کا ایک مختصر سا تذکرہ ہے جو اللہ پاک، اس
کے رسول اکرم ﷺ اور مقدّس مذہب اسلام نے مخصوص "عورت" پر کئے ہیں۔
تم بھی اسی جنس سے ہو اور اس کلیہ میں داخل، ان پر اُن لاتعداد
احسانات کا اور اضافہ کرو جو ہر لحہ اور آن اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے خود تم پر
اُس وقت سے کہ تم ماں کی گود میں بھی نہ آئی تھیں، شروع ہوئے اور زندگی کی
آخری سانس تک اس دنیا میں اور اسکے بعد آخرت میں ابدالآباد (ہمیشہ

بدوام) تک اُن کا سلسلہ قائم رہے گا۔

غور کرو، ماں باپ جیسے چاہنے والے تم کو کس نے دیئے؟ خدا نے! ورنہ اکثر لڑکیاں پیدا ہوتے ہی اس نعمت سے محروم ہو جاتی ہیں۔

سوچو، ماں باپ کو اتنی فراغت کس نے دی کہ تمہاری پرورش اچھی طرح کر سکیں، کبھی تمہاری ضِد کو نہ ٹالیں، جس بات کی ہٹ (ضد) کی، پُوری کی؟ خدا نے!

ورنہ بہت سی لڑکیوں کے باپ اور ماں مفلس محتاج ہوتے ہیں، وہ اولاد کی پرورش تو کیا کرتے، خود اولاد کو اپنی اور والدین کی ضروریاتِ زندگی کے لئے محنت مزدوری کرنا پڑتی ہے۔

تم کو اچھی صورت، اچھی سیرت، تندرستی جیسی بیش بہا نعمت کس نے دی؟ خدا نے!

ورنہ تم نے اکثر لڑکیوں کو آنکھ سے، پَیر سے معذور دیکھا ہوگا۔

غرض زندگی کے ہر شعبہ میں جب تم اپنے سے کم درجہ کی لڑکیوں کی زندگی پر نظر ڈالوگی تو تمہارا دل یہ مان لے گا، کہ خصوصیت سے تمہاری ذات پر اللہ پاک کے اتنے احسان وکرم ہیں کہ تم شمار کرنا چاہو تو بھی شمار نہیں کر سکتیں۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ (پ ۱۳ سورہ ابراہیم آیت نمبر ۳۴)

اور اگر اللہ کی نعمتوں کا شمار بھی کیا جائے تو وہ حدِ شمار سے باہر ہیں، ان سب باتوں کے دُہرانے سے اے عزیز بیٹی (فاطمہ) میرا یہ مقصد تھا کہ اللہ پاک نے تمہاری فطرت میں چونکہ احسان شناسی کا مادہ پیدا کیا ہے، تمہاری کسی ملنے والی نے اگر تمہیں خط لکھا، تو جواب لکھنے تک تم بے چین رہتی تھیں، کسی سہیلی نے اگر

کوئی تحفہ بھیج دیا تو تم اُس کا عوض (بدلہ، اجر) کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتی تھیں، میری ضروریات کی نگہداشت تم کیسی مستعدی اور کیسے خلوص کے ساتھ کرتی تھیں یہی سمجھ کر کہ باپ ہے۔

بے شک انسانوں میں بعض کے بعض پر حقوق ہیں! باپ کے بیٹے پر، بیٹی کے باپ پر۔

لیکن جان سے پیاری بیٹی، خدا کے حقوق بندے پر ان سب سے زیادہ ہیں، تم کسی دوسرے کو کیوں بیچ میں ڈالو، ماں باپ تمہارے نزدیک تمہارے سب سے بڑے محسن ہیں اور تمہارے دل میں ان کی اطاعت کا جذبہ سب سے زیادہ غالب، ان کی محبت کا اثر سب سے فائق (فوقیت رکھنے والا، برتر) ہے۔

ایک مثال لکھتا ہوں! دیکھو چیچک تمہارے بھی نکلی اور اُسی زمانے میں تمہارے بھائی سیّد کے بھی، کیا ہمارا قابو تھا کہ چیچک نہ نکلنے دیتے اور اگر ہوتا تو تمہاری اور سیّد کی تکلیف بھلا ہم برداشت کر سکتے تھے۔

اب کیا یہ بھی ہمارا اختیار تھا، کہ چیچک سے تمہیں تندرست کر دیتے اور اگر ہوتا تو تمہاری بڑی بہن مہیس، اور تمہارے بھائی حمید اوّل کو ہم اس مرض میں کیوں مرنے دیتے!

اچھا، تم اچھی ہوئیں، خدا نے تمہیں صحت دی مگر تمہیں یاد ہوگا کہ سیّد کو نا سمجھ ہونے کی وجہ سے مطلق اس کی پرواہ نہ تھی، کہ چہرے پر داغ رہیں گے یا نہیں، تم سمجھدار تھیں ہر وقت تم کو یہی فکر، ہر وقت تمہاری زبان پر یہی ذکر تھا، تم خدا سے دُعا کرتی تھیں، جانتی تھیں کہ میں، باپ، ڈاکٹر، حکیم سب بے بس ہیں وہ کچھ نہیں کر سکتے، خدا نے تمہاری دُعا قبول فرما لی، سیّد کے داغ رہے، اب تک ہیں، اور تمہارے داغ کا نشان تک نہیں۔

اب بتاؤ، ماں باپ تم پر زیادہ اختیار رکھتے ہیں یا خدا؟ ماں باپ زیادہ محبت کرتے ہیں یا خدا؟

اور یہ تم اُوپر پڑھ چکی ہو کہ ماں باپ بھی خدا کے حکم اور اپنی مغفرت کے لالچ ہی میں لڑکیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں، ورنہ وہ بھی آخر ماں باپ ہی ہوتے تھے جو لڑکیوں کو زندہ زمین میں گاڑ (دفن کرنا) آتے تھے۔

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر
تو خوفِ شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور
کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اُس کو جا کر
وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی
جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

"حالیؔ"

تو اے جانِ پدر! جس خدا نے تم پر اتنے احسان کیے ہوں، جسکے احسانات کا سلسلہ برابر جاری ہو، جو ہر وقت تمہارا محافظ و مددگار ہو، جو ہر وقت تمہاری دعاؤں کو سُنے، اور اُنہیں قبول کر لے۔

کیا اُس کا حق ادا کرنے، اسکے احسانات کا شکر گذار ہونا تمہارا فرض نہیں، تم نے کبھی ماں باپ کے کہنے کو نہیں ٹالا، کبھی اُن کی نافرمانی نہیں کی، پھر تمہاری فطرت، تمہاری طبیعت اور تمہارے نفس کی شرافت کیسے اسے گوارا کر سکتی ہو کہ خدا کے احکام کی تعمیل نہ کرو۔

نماز کے متعلق میں یہاں بھی تم کو برابر کہتا رہتا تھا، اب جبکہ تم مجھ سے رخصت ہو رہی ہو، یہ آخری فرض ادا کرتا اور بطور وصیت التجا کرتا ہوں کہ کسی حال

میں بھی نماز سے غفلت نہ کرنا، یہ ایسا فرض ہے کہ کسی حال میں معاف نہیں ہوسکتا۔ نماز کی اہمیت کا اندازہ تم اس سے کرسکتی ہو کہ اگر سواری سے اُترنا ممکن نہ ہو، تو وقت ہو جانے پر سواری ہی پر نماز ادا کرنا چاہئے، بیماری میں اُٹھ نہ سکے تو بیٹھ کر، بیٹھا بھی نہ جائے تو لیٹے لیٹے، بولا نہ جائے تو اشارے ہی سے نماز ادا کرلینا چاہیے۔

میدانِ حشر میں سب سے پہلا محاسبہ (پوچھ گچھ۔ حساب) نماز کا ہوگا!

اے باپ کی رُوح، اور ماں کی جان! تیرا نام فاطمہ اسی لئے رکھا گیا تھا کہ اس نام کے انتساب (منسوب کرنا) کی برکت سے خدا تجھے توفیق بخشے کہ اپنی زندگی ایسی دیندارانہ گذارے کہ کنیزانِ فاطمہ میں محشور (حشر ہونا) ہونے کی عزت پاسکے۔

جانِ پدر! اگر نماز کی تو نے ایسی ہی پابندی کی، جیسا کہ اُس کا حق ہے تو یقین رکھ کہ دنیا اور دین تیرے سنور جائیں گے، دل کو اطمینان اور رُوح کو ہر وقت فرحت رہے گی۔

نماز یہ خاصیت رکھتی ہے کہ دوسری نیکیوں کی طرف خود بخود طبیعت راغب ہو اور برائیوں سے کراہت و نفرت ہوتے ہوتے ایک دن اُن کو بالکل ہی محو کردے۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ۔ (پ ۲۱ سورہ العنکبوت آیت نمبر ۴۵)

تحقیق نماز میں یہ اثر ہے کہ وہ بُرائیوں اور گناہوں سے روک دیتی ہے، ایک ذریعہ خدا کی رضا مندی حاصل کرنے کا یہ ہے کہ اسکی مخلوق کی خدمت کی جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاسَ

تم میں سب سے اچھا وہ ہے جس سے بنی نوع انسان کو زیادہ نفع پہنچے، یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ اچھا کھایا، اچھا پیا، مر گئے چلے گئے، کسی کے کام نہ آئے۔

اِس طرح جی کہ بعد مرنے کے
یاد تو کوئی گاہ گاہ کرے
ورنہ افسوس ہے کہ تو مر جائے
نہ کوئی نام لے نہ آہ کرے

حافظ عبدالشکور نابینا کے کپڑے اکثر تم نے سیئے ہیں۔ جب کبھی جمعہ کے روز اُس نے کپڑا لاکر دیا، اور تم نے فوراً نماز جمعہ سے پہلے اُسے سی کر بھیج دیا۔ تم نے نہیں دیکھا، میں نے دیکھا ہے کہ اُس کی مسرت کی کوئی انتہا نہ ہوتی تھی۔ ایک دل کو خوش کر دینے کو صاحبانِ دل کہتے ہیں کہ حج اکبر کا ثواب ملتا ہے، جاڑوں (سردی کا موسم) میں معصوم بچوں کی رضائیاں (لحاف) اکثر میں تم سے اسی لئے تیار کراتا تھا کہ ان کے اجر میں تم بھی حصہ دار بن جاؤ۔

خلاصہ یہ ہے کہ روپیہ سے، پیسہ سے، ہاتھ سے، پاؤں سے، زبان سے، جہاں تک بن سکے حسبِ استطاعت و قدرت خدا کی مخلوق کی حاجت روائی، خدمت گذاری اور دل خوش کرنے کی زندگی بھر کوشش کرتے رہنا۔ حضور نبی کریم ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے۔

اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہِ مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔

اس خدمت اور اس حاجت روائی سے جو دعائیں حاصل ہوتی ہیں، وہ دنیا اور دین میں بڑے ہی کام آتی ہیں، آنے والی مصیبتیں ان دعاؤں کی برکت سے

ٹل جاتی ہیں۔

جس طرح کسی کے دل خوش کرنے کا اجر وثواب ہے اسی طرح دوسرے کو رنج دینے، دل دُکھانے کا عذاب بھی ہے، اس سے خدا محفوظ رکھے۔

فاطمہ، اس سے بچنے کی زندگی بھر امکانی (طاقت کے مطابق) کوشش کرنا کہ کوئی تم سے ناخوش نہ رہے، کسی کو تمہارے کسی قول یا فعل سے صدمہ نہ پہنچے۔

شیریں کلامی، خندہ جبینی (خوش مزاجی) کی تواضع میں دلوں کے موہ لینے کی بڑی قوت ہے کسی کی تلخ اور ناگوار بات کا ضبط کر جانا اور جواب نہ دینا ایک طرف تو تمہیں اجر صبر کا مستحق بنائے گا، دوسری طرف خود ایسے شخص کے دل میں تمہاری محبت اور منزلت (عزت، قدر) پیدا ہوگی۔

بُرائی کا بدلہ ہمیشہ بھلائی سے کرو، سُنی سنائی باتیں اکثر صحیح نہیں ہوتیں، اُن پر کبھی یقین نہ کرنا چاہیئے۔ ایک شخص تمہارے منہ پر اگر تمہیں بُرا نہیں کہتا تو وہ اتنا تو تمہارا لحاظ اور خیال کرتا ہے، چاہیئے کہ تم اسکی قدر کرو اور اس کا موقع ہی نہ آنے دو کہ یہ لحاظ ٹوٹ جائے اور رُو در رُو (منہ پر۔علانیہ) برائی کی نوبت پہنچے۔

ہمسایہ کی بڑی بوڑھیاں جب تم سے ملنے آیا کریں یا خاندان کی بیبیاں تمہارے پاس آئیں ان سب کی دل سے عزت کرنا، انکی نیک دعائیں حاصل کرنے کی کوشش کرنا، انکی کوئی خدمت تم سے بن سکے تو اپنی ذات پر تکلیف گوارا کر کے بھی ضرور کرنا۔

ہر نماز کے بعد خدا سے اپنے لئے، اپنے شوہر اور اسکے خاندان کے ہر فرد کے لئے، پھر عام مسلمان مرد، عورت کے لئے، اور اس کے بعد عام مخلوق الٰہی کے لئے بھلائی، وسعت، رزق اور مغفرت کی دعا کرتی رہنا۔

فاطمہ

آج تو اُس ماں سے چھوٹ رہی ہے جس نے نو مہینے تجھے پیٹ میں رکھا، پھر اپنے جسم کا خون دُودھ کی شکل میں پلا پلا کر تجھے پرورش کیا، خود گیلے میں سوئی، تجھے سوکھے میں سُلایا، اپنی جوانی کی میٹھی نیندیں تیرے راحت و آرام پر قربان کیں، تیری صحت کی خاطر اپنے زبان کے ذائقہ کی بھی پرواہ نہ کی، کبھی تیری آنکھوں میں میل، پیشانی پر بل نہ آنے دیا۔

مگر جب سے تو نے سنِ شعور میں قدم رکھا یہ چہیتی ماں اور ناز بردار باپ دونوں اس فکر میں گھلے جاتے تھے کہ جلد از جلد تیرے لئے کوئی مناسب و موزوں بَر (شوہر) تجویز کریں، آج تجھے ڈولے میں سوار کرا کے دونوں اطمینان کی سانس لیں گے اور چین کی نیند سوئیں گے۔

جس گھر میں تُو پیدا ہوئی، بڑھی، کھیلی، رُوٹھی، بگڑی، پلی، بنی، آج وہ ہمیشہ کیلئے تجھ سے چھوٹ رہا ہے۔ جس کمرے میں تو رہتی، اٹھتی، سوتی تھی اور جس کے در و دیوار، چھت و طاق، تیرے ہاتھوں دلہن کی طرح آراستہ رہتے تھے اُن پر اُداسی برس رہی ہے۔ محلہ کی لڑکیاں تجھے الوداع کہنے کے لئے جمع ہیں۔

لیکن ان میں سے کسی کی ہمت نہیں کہ رخصت ہوتے ہوئے ایک رات کے لئے ہی تجھے اور ٹھہرالیں، سب کے دل تیری جُدائی سے متاثر، سب کی آنکھیں تیری مفارقت (جُدائی) میں آنسوؤں سے تر ہیں، سب کڑھ رہے ہیں، سب کو تیرا چھوٹنا شاق (ناگوار) ہے مگر کسی کی زبان سے تو کیا نکل سکتا ہے دل میں بھی یہ خیال نہیں گذرتا کہ تو نہ جائے تُو نہ چھٹے تُو نہ رخصت ہو۔

جس دن تو پیدا ہوئی اُسی روز سے سب سمجھے بیٹھے تھے کہ تو اپنی نہیں پرائی

ہے، تجھ سے اس گھر کی آبادی کا کوئی تعلق نہیں، تو دوسرا گھر آباد کرے گی، تو اس گھر میں رہنے بسنے کے لئے نہیں آئی، مہمان آئی ہے، ایک دن تیرا اس گھر سے رخصت ہونا مقدر ہے۔

تیری پرورش اسی لئے کی گئی تھی کہ جب تجھ میں گھر کے سنبھالنے کی صلاحیت آجائے تو تجھے گھر آنے کے لئے سُسرال بھیجیں۔

اتنے دلوں پر رنج وغم کے بادل اُمنڈ رہے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ تیرا دل متاثر نہ ہو، تو بھی آج پیکر غم اور مجسمۂ الم (دکھ، غم) بنی ہوئی ہے، کتنی راتیں گذریں کہ تو اس صدمہ میں نیند بھر کر نہیں سوئی، کتنے وقت تجھے بے آب ودانہ (کھانا پینا، خوراک) گذر گئے۔

آ، اے غم کی پتلی، اس ابتلاء (آزمائش، امتحان) کے وقت میں تجھے ایک خوشخبری سنادوں کہ تیری گری ہوئی ہمت سنبھالا لے لے، اس جُدائی کو جو تو ایک مصیبت سمجھ رہی ہے نعمتِ الٰہی سمجھنے لگے۔

پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

اَلنِّکَاحُ سُنَّۃُ الْاَنْبِیَاءِ نکاح انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پسندیدہ طریقہ ہے۔

تمہیں معلوم ہے کہ پیغمبران علیہم السلام، اللہ کے برگزیدہ اور مقبول بندے ہوتے ہیں، ہر نماز میں اور اسکی ہر رکعت میں سورۃ الحمد پڑھتی ہو، اس میں آیات

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ

(پ ۱ سورہ الفاتحہ آیت نمبر ۵،۶)

میں اللہ سے یہ دعا کی جاتی ہے کہ اے اللہ ہمیں سیدھے راستہ پر چلنے کی ہدایت دے، وہ راستہ جو تیرے مقبول بندوں کا ہے۔

ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا کہ نکاح میری سنت ہے اور جو میری سنت

سے رغبت نہ رکھے وہ میرے گروہ سے نہیں۔

ان ارشادات سے واضح ہوا کہ نکاح اللہ کے مقبول بندوں کا پسندیدہ طریقہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور اس سے رغبت رکھنا ہر مسلمان کے لئے ضرورت ہے۔ اس کو اچھا جاننا، اس کو پسند کرنا تمہارے اوپر فرض ہے۔ تم اس نکاح کے ذریعہ سے اپنے ھادی (ہدایت کرنے والا، راہنما) اپنے رسول کی سنت پر عمل کر رہی ہو، اور خدا کے مقبول بندوں کے پسند کئے ہوئے راستہ پر قدم اٹھا رہی ہو، جو ارادہ کر کے ہدایت کے راستہ پر چلیں وہ اسکے اجر و ثواب سے کیسے محروم رہ سکتے ہیں اور اسکے یُمن و برکت (سعادت۔ اقبال مندی) سے کیوں مستفید نہ ہوں۔

غور کرو! یہ موقع رنج کے آنسو گرانے کا ہے، یا خوشی کے آنسو بہانے کا، تم عورتوں میں کوئی نئی نہیں ہو کہ سسرال بھیجی جا رہی ہو، دنیا جہان کی لڑکیاں سُسرال جاتی ہیں۔

تمہاری ماں اس گھر میں کیسے آئیں، اسی طرح دلہن بن کر گھونگٹ میں ساون بھادوں کی طرح زار زار آنسو بہاتی ہوئی مگر آج وہ تمہیں دلہن بنا کر رخصت کر رہی ہیں۔

آج تم دلہن بن کر جا رہی ہو، ایک زمانہ وہ بھی ہوگا کہ تم بیٹے کی دلہن لاؤ گی اور بیٹی کو دلہن بنا کر رخصت کرو گی۔

تمہاری آپا تو تمہارے آنکھوں کے سامنے سُسرال گئیں، وہ جب رخصت کی گئی صرف تیرہ سال کی تھی، تم تو اس سے کئی سال زیادہ میکے میں رہ کر رخصت کی جا رہی ہو۔

سُسرال کا جانا ہر لڑکی کے لئے ناگزیر ہے، ماں باپ کے اختیار میں ہوتا

تو وہ کبھی تمہیں آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتے۔

زمانہ کا دستور، دنیا کی رسم، خدا اور رسول ﷺ کا حکم، دنیا کی آبادی کیلئے ایسا کیا جانا ضروری ہے۔ یہ مجبوری نہ ہوتی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنی لاڈلی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کیوں بیاہتے۔

بس ہوتا تو دونوں جہان کے سردار پیغمبر حضرت محمد ﷺ اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو سارے جہان کی عورتوں کی سرتاج تھیں کیوں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کنیزی میں دیتے۔

ہم سے بلقیس کیوں جُدا ہوتی۔

تمہارا کھانا کپڑا ہم پر ذوبھر نہ تھا، ہم کیوں اُٹھتے بیٹھتے خدا سے دعائیں کرتے کہ اے اللہ فاطمہ کے فرض سے ہمیں سبکدوش فرما۔

اب تک جو کچھ میں نے لکھا اُس سے یہ غرض تھی کہ تمہارا اطمینان کردوں کہ نکاح ایک بہترین طریق عمل ہے۔ ہر ملک، ہر ملت میں اسکو اچھا سمجھا جاتا ہے۔ ہر لڑکی کا ایک وقت مناسب پر ماں باپ، بہن بھائی، وطن، سہیلیاں سب کچھ چھوڑ کر سُسرال جانا ضروری ہے۔

جس محبت نے ماں باپ کو اس پر آمادہ کیا کہ تم کو نئے گھر سنبھالنے کا سلیقہ سکھائیں وہی محبت یہ مطالبہ بھی کرتی ہے کہ شوہر کے متعلق خصوصاً اور سُسرال کے متعلق عموماً تمہاری معلومات میں اضافہ کردیا جائے۔

یہ تم اوپر پڑھ چکی ہو کہ اللہ پاک نے وعدہ فرمایا ہے کہ اس رشتۂ زن وشوہر میں ہم نے تعلق محبت والفت کا قائم کردیا ہے۔ اس ارشاد کی صداقت اور تاثیر کا مشاہدہ، روزمرہ زندگی میں کیا جارہا ہے۔ میاں بیوی جن کو خدا کے حکم اور رسول کے ارشاد کے متعلق ایک دوسرے سے وابستہ کردیا جاتا ہے ان میں سے

کسی نے ایک دوسرے کو نہیں دیکھا۔ خصائل، عادات، مزاج سے دونوں میں سے کسی کو کسی کا علم نہیں۔ بیوی واقف نہیں کہ میاں کس قماش کے ہیں، میاں نہیں جانتا کہ بیوی کس ڈھب کی خاتون ہیں!

بایں ہمہ سوائے چند مُستثنیات کے ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی طولانی (لمبا، دراز) اور بیشمار بکھیڑوں کی زندگی میں میاں بیوی ایک دوسرے کے رفیق، ایک دوسرے کے ہمدرد، ایک دوسرے پر فدا اور نثار، ایک دوسرے پر واری اور قربان ہیں۔

میاں کے پاؤں میں اگر کانٹا چُبھا ہے بیوی بے چین ہے۔ بیوی کے سر میں درد ہے تو میاں کو قرار نہیں۔ گھر، دھن دولت، عزت، اعتبار، ساکھ اگر میاں کی ہے تو بیوی کی بھی ہے، اور ایک کی نہیں تو دوسرے کی بھی نہیں۔

اولاد جیسی نعمت اور دولت دونوں کی مشترک، دو قالب بظاہر نظر آتے ہیں مگر دونوں کے اندر ایک ہی رُوح، ایک ہی جان مصروفِ عمل ہے۔

یہ ایسا بدیہی (وہ بات جس میں دلیل کی حاجت نہ ہو) ثبوت مؤدت و الفت کے تعلق باہمی کا ہے جو ہر گھر میں نظر آتا اور ہر زن و شوہر میں پایا جاتا ہے۔

جن ممالک و مذاہب میں میاں بیوی ایک دوسرے کو اچھی طرح جان بوجھ کر برت اور پرکھ کے اس تعلق کو قائم کرتے ہیں وہاں کے حالات ہم اخبارات میں برابر دیکھتے رہتے ہیں۔ آئے دن مقدماتِ طلاق کی بھرمار، میاں بیوی میں جوتی پیزار (لڑائی جھگڑا رہنا) نہ دلوں میں الفت نہ برتاؤ میں رواداری، کیا یہ کُھلا ہوا ثبوت اس کا نہیں کہ وہ اس وعدہ الٰہی اور اس کے ثمرات سے محروم اور بے نصیب ہیں، یہ بھی تم پڑھ چکی ہو کہ مَردوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنی بیویوں سے تسکین و راحت حاصل کرو، یہ بھی مردوں سے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ۔

عورتیں مثل تمہارے لباس کے ہیں اور تم مثل ان کے لباس کے ہو۔ میں نے اوپر ایک جان دو قالب کی مثال لکھی تھی، جسم انسانی کیا ہے، رُوح یا جان کا لباس ہی تو ہے، لباس کا کام کیا ہے، موسمی تغیرات میں جسم کی حفاظت یا جسم کی ستر پوشی، جسم انسانی بھی روح کو اپنے اندر مستور (پوشیدہ، مخفی) رکھتا ہے اور لباس بھی جسم کے لئے یہی فرض انجام دیتا ہے۔

تو کیا اس کا مطلب یہ نہ ہوا کہ بیوی اگر جسم ہے تو میاں اسکی جان، میاں اگر جسم ہے تو بیوی اسکی روح، یا عورت اگر جسم ہے تو مرد اس کا لباس، مرد اگر جسم ہے تو عورت اس کا ملبوس۔

یکجہتی، من تو شدم تو من شدی: ایک جان دو قالب کی کیسی دل نشین مثال بیان فرمائی ہے، اس سے بہتر تصور میں نہیں آسکتی۔

مرد کو حکم ہے کہ عورت سے تسکین و راحت حاصل کرو، تسکین و راحت پہنچانے کا، اُن کے لوازم بہم پہنچانے کا فرض کس کے ذمہ رہا؟ عورت کے!

عورت کا کام ہے کہ مرد کے لئے انتہائی سرگرمی اور پوری تندہی کے ساتھ جس میں محبت اور خلوص شامل ہو، لوازم تسکین و راحت مہیا کرے۔

عورت کا فرض ہے کہ مرد کے جسم کی ایسی حفاظت، ایسی پردہ پوشی کرے جیسا کہ لباس جسم کی حفاظت و پردہ پوشی کرتا ہے۔

عورتوں میں یہ جذبہ ہونا چاہیے کہ مرد کو اپنی روح اور جان سمجھ کر خود اس کا قالب یا جسم بن جائے۔ فرض کرو ایک شخص کی کہنی پر زخم ہو جس سے ریزش (پیپ، نزلہ) جاری رہتی ہے، ہاں اگر برہنہ (ننگا) رکھا جائے دیکھنے والے اس سے

کراہت کریں گے۔

ایک شخص کے بدن پر میل چھپا ہوا ہے، لباس اگر نہ ہو تو جس کی بھی نظر پڑے گی اُسے غلیظ اور کاہل سمجھے گا۔

لباس اُس زخم کو چھپاتا، اس میل کو دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھتا ہے اور اس طرح سے دیکھنے والوں کو نفرت اور اشکراہ کا موقع نہیں دیتا، گرمی کی لُو جسم کو جھلس دے اگر لباس اسکی حدت کو جذب نہ کرے، ماگھ کی ٹھنڈی ہوا سے جسم ٹھٹھر جائے اگر لباس اسکے اور جسم کے درمیان روک نہ بن جائے۔

اس کے علاوہ لباس کے پہننے والے کی عزت اور قار میں اضافہ ہوتا ہے۔ تم جب بھی محلہ کی تقریب میں شرکت کو جاتی ہو تو سب سے پہلے لباس کی عمدگی، نفاست اور خوبصورتی کا اہتمام کرتی ہو، کیوں؟ اسی لئے کہ دیکھنے والوں کی نگاہیں میں وقعت اور عزت پاؤ۔

تو اللہ بازک و برتر نے لباس کی مثال سے یہ واضح فرمایا ہے کہ مرد کی عزت عورت سے اور عورت کی عزت مرد سے اسی طرح وابستہ ہے جس طرح جسم کی عزت و وقعت لباس سے۔

ان مثالوں پر غور کرو اور نتیجہ نکالو کہ عورت کی ذمہ داریاں کیا کیا ہیں۔

عورت کو چاہیے کہ مرد کے لئے اپنی ذات میں اور اپنی ذات سے تسکین و راحت کے اسباب فراہم کرے۔

عورت کو چاہیے کہ مرد کے عیوب اگر کچھ ہوں بھی تو ان کی اصلاح میں عاقلانہ (دانشمندانہ) سعی تو کرے مگر اُن کا اظہار نہ ہونے دے۔

اگر تم ایسا کرو گی تو اللہ بزرگ و برتر کے احکام کی تعمیل کرو گی کہ عورت کی تخلیق سے منشاء ایزدی یہی تھا کہ مرد کی مدد و معاون اور رفیق و مونس بنے۔

جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ فرمایا جناب رسالت مآب ﷺ نے کہ اگر میں کسی کو بھی کسی کے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت ہی کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت کی گئی ہے اُس میں اس سے آگے یہ عبارت بھی ہے کہ مرد اگر اپنی بیوی کو حکم دے کہ پتھر ڈھوئے لال پہاڑ کی طرف سے سیاہ پہاڑ کی طرف اور سیاہ پہاڑ کی طرف سے لال پہاڑ کی طرف، تب بھی عورت پر حق ہے کہ اس کام کو بجالائے۔

سجدہ وہ نشانِ عبودیت ہے کہ سوائے خدائے وحدہ لاشریک لہٗ کے کسی کو نہیں کیا جاسکتا، مگر ہادیٔ اسلام ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اور ہستی کائنات میں سجدہ کی سزاوار ہوسکتی تو وہ عورت کے لئے شوہر کی شخصیت تھی۔

اللہ اکبر! عورت کے لئے شوہر کی ذات کیسی رفیع المنزلت (اونچی شان والی، بلند مرتبے والی) ہے۔ لال پہاڑ سے سیاہ پہاڑ اور سیاہ پہاڑ سے لال پہاڑ کی طرف پتھر ڈھونے کے حکم میں ایک مثال کے ذریعہ تلقین کی گئی ہے کہ کوئی کیسا ہی کٹھن اور سخت حکم بھی شوہر کی طرف سے دیا جائے عورت کو چاہیئے کہ اس کی تعمیل کرے۔

کوئی سمجھدار خاتون اِن ارشادات کی اہمیت کو سمجھ کر اپنا مقصودِ زندگی اگر شوہر کی اطاعت قرار دے لے تو ضرور وہ اپنے شوہر کے دل پر قبضہ حاصل کرلے گی، اور کامیاب زندگی بسر کرے گی، اتنا تو تم خود بھی سمجھ سکتی ہو کہ خدمت ہی سے عظمت حاصل ہوتی ہے، اپنی ہستی کو پہلے خاک میں ملا کر ہی دوسری ہستی کو اپنا بنایا جا سکتا ہے، یہ تم پڑھ چکی ہو کہ عورت اپنے شوہر کے گھر پر حاکم ہے، یہ حکومت کیا بلا کسی خدمت اور محنت کے مل جائے گی، گھر کے مالک کو اپنا کرلو، پھر سب کچھ تمہارا ہے۔

یہ عزت کہ جنت تمہارے قدموں کے نیچے ہے، جب ہی تو تمہارے حصہ میں آئے گی کہ بیوی بن کر خدمت کرو اور ماں بن کر اس عزت اور منزلت پر پہنچ جاؤ۔

اسکے علاوہ اس خدمت کا ایک بڑا انعام اور بھی حضور پیغمبر ﷺ تجویز فرما گئے ہیں، یقین ہے کہ اس کو حاصل کرنے کے لئے تم اپنی ہستی کے مٹانے اور خاک میں ملانے سے بھی دریغ نہ کروگی، ہر مسلمان خواہ مرد ہو یا عورت، زندگی بھر دُعا کرتا ہے کہ اے اللہ میرے گناہ بخش دے، میرا انجام بخیر کر، مجھے جنت میں داخل فرما۔

ساری زندگی کی عبادت کے بدلے میں اگر کوئی مستحق جنت ہوگیا تو بیڑا پار ہے۔ میدانِ جنگ میں مرد جو اپنا سر ہتھیلی پر لے کر شریک ہوتے اور تمنا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہمارا سر، ہماری جان، ہمارا خون کا ہر قطرہ، تیری راہ میں حاضر ہے، اسکو شرفِ قبولیت عطا فرما، اس سے کیا غرض ہوتی ہے؟ طلبِ مغفرت، حصولِ جنت اور بس۔

اب عورتوں کے متعلق، دل کو متوجہ کر کے اور کان لگا کر سنو، حضور ﷺ کیا فرماتے ہیں، اس حدیث کی راوی جناب ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

"جس عورت کی وفات اس حال میں ہوئی کہ اس کا شوہر اس سے خوش ہے تو وہ بس جنت میں داخل ہوگئی، ہر عورت کے لئے جنت الفردوس کے دروازے کُھلے ہوئے ہیں، حور و غلمان خیر مقدم کے منتظر ہیں اگر اسکے ہاتھ میں شوہر کی خوشنودیٔ مزاج کا پروانہ ہے۔

کیا اب بھی تم اس سودے کو مہنگا سمجھوگی۔

سونا پیتل کی مول نہیں مل سکتا، مٹی کے کھلونے کی قیمت میں تمہیں بلّور (ایک چمکدار دھات) کا کھلونا کون دے دے گا، بیشک خدمتِ شوہر بڑا ہی کٹھن کام ہے، اپنی جان کو مٹانا اور اپنی ہستی کو خاک میں ملانا پڑے گا۔

مگر جنت بھی تو مفت میں دے دینے کی چیز نہیں۔

اس موقع پر پھر ایک بار اللہ تبارک تعالیٰ اور اسکے رسول اکرم ﷺ کے

احسانات پر ایک نظر باز گشت ڈال لو کہ حصولِ جنت میں یا بالفاظِ دیگر حصول خوشنودی شوہر میں عورت کی کس قدر معاونت و امداد فرمائی گئی ہے۔

باہمی رشتۂ ازدواج قائم ہوتے ہی، رابطہ محبت و الفت پیدا کر دیا گیا ہے، محبت والفت کے ہوتے ہوئے ناراضامندی کا وجود ہی نہیں باقی رہ سکتا۔

جس طرح عورت کو مرد کے لباس سے مشابہت دے کر عورت کو مرد کے جسم کی حفاظت و آسائش کا ذمہ دار قرار دیا، بالکل انہیں الفاظ اور انہیں شرائط کیساتھ مرد کو بھی عورت کا لباس قرار دیا، پس مرد پر بھی وہی ذمہ داریاں، وہی حقوق عائد ہو گئے جو عورت پر مرد کے تھے۔

حضور ﷺ نے زندگی میں اور سفرِ آخرت فرماتے ہوئے بھی مردوں کو وصیت کی کہ اپنی عورتوں کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آنا، مردوں کو اچھا جب ہی تسلیم کیا جب وہ بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، خود اپنی مثال دے کر مردوں کو اپنی نقشِ قدم پر چلنے کی تحریص وترغیب کا سامان پیدا کر دیا، یہ سب باتیں کیا اس لئے نہ تھیں کہ شوہر عورت سے خوش اور رضا مند رہے اور دونوں دنیا کی رفاقت ہیں، ایک دوسرے پر جان چھڑ کا کریں۔

عورت کیلئے مغفرت کیسی آسان کر دی ہے کہ ادھر مرد کو حکم دیا کہ عورت سے رضا مند رہو اور اُدھر عورت سے فرمایا کہ اگر تمہارا شوہر تم سے خوش ہے تو پھر جنت تمہاری ہے۔

یہ اللہ بزرگ و برتر کا فضل و احسان ہے کہ مرد اپنے خون کو پانی کی طرح بہا کر بھی ایسے صاف وصریح طور پر کھلم کھلا جنت میں داخل نہیں ہو سکتے، مگر عورت صرف اپنے شوہر کی رضا مندی ہی میں جنت کی ٹھیکیدار بن جاتی ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ

یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے نوازتا ہے۔

جانِ پدر!

اب تک تو احکامِ خدا اور رسول کا تذکرہ تھا، اب میں معاشرت کی ضروری باتیں لکھتا، اور دل سے یقین رکھتا ہوں کہ اگر تم نے ان کو دامن میں باندھا، ان پر عمل کیا تو انشاءاللہ سُسرال کا گھر تمہارے لئے وہ گلستان سدا بہار ثابت ہوگا جسکی مہک سے تمہارے میکے والوں کے دماغ بھی ہمیشہ فرحت حاصل کرتے رہیں گے۔

تم جس گھر میں جارہی ہو وہ تمہارے لئے بالکل انجان بھی نہیں ہے اس کا خیال ہمیشہ رہا کہ جس طرح بلقیس کو سُسرال میں غیریت مطلق کا اتفاق نہیں ہوا تم بھی اجنبیتِ محض کے دوچار نہ ہو۔

تمہاری خوشدامن اور خسر، خدا ان کا سایہ تمہارے سر پر قائم رکھے، بڑے ہی نیک مزاج ہیں، تم اپنی ذات کے متعلق ہمیشہ ان سے خلوص ومحبت کا ہی برتاؤ دیکھو گی لیکن یہ تمہارا بھی فرض ہے کہ ہر حال میں اُن کا ادب ملحوظ رکھو، انکی عزت کرو، جہاں تک بن سکے ان کی راحت رسانی کی سعی کرو، اور کوئی کام کبھی انکی مرضی کے خلاف نہ کرو، کسی کے ماں باپ سدا زندہ نہیں رہتے، ایک دن اولاد کو داغِ یتیمی برداشت کرنا پڑتا ہے، اگر کسی خوش نصیب دُلہن کو ساس اور سُسر کا سایہ نصیب ہوجائے تو وہ سمجھ لے کہ اللہ پاک نے اُس کو دنیا اور عقبیٰ (آخرت) کی بھلائی جمع کرنے کا ایک موقع عنایت فرمایا ہے ورنہ چند روز بعد یہ کہاں اور تم کہاں!

تمہاری دو بہنوں میں سے ایک کو یہ دولت حاصل ہے ایک اس سے محروم ہے۔ دیکھ لو، بلقیس کو ان بزرگوں کے زیر سایہ کس درجہ طمانیت حاصل ہے اور خورشید ایک دن کے لئے اپنا گھر نہیں چھوڑ سکتی، اور گھر بھی رہے تو تنہا، مرد تو

چوبیس گھنٹے گھر میں رہ ہی نہیں سکتا، یہ دفاقت تو ساس ہی سے ہو سکتی ہے۔

تم شوہر کے حکم کی تعمیل میں یہ پڑھ چکی ہو کہ عورت کو ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ کی طرف پتھر ڈھونے کا حکم دیا جائے تب بھی عورت کو تعمیل کرنا چاہیئے۔ ساس اور سسر اسی شوہر کے ماں باپ ہیں، ان میں سے کوئی بھی اگر تمہارے شوہر کو حکم دے کہ ایک پَیر سے ساری رات اُس میں کھڑا رہے تو اسے انکار یا سرتابی (حکم عدولی) کی مجال نہ ہوگی پھر تمہارے لئے ان کا کیا رُتبہ اور ان کے احکام کی کیا وقعت ہونا چاہیئے تم خود ہی سمجھ لو۔

تمہاری نند دوسرے گھر جا چکی ہے، مگر چونکہ اسکی سُسرال اسی قصبہ میں ہے اس لئے تمہارا اس کا اکثر ملنا ہوگا، وہ بھی ایک بڑی ہی ملنسار لڑکی ہے تم اگر ذرا جھک کر اُس سے ملوگی تو وہ تمہارا دم بھرے گی، عمر میں وہ تم سے بڑی، رشتہ میں تم سے اونچی، پھر کیا وجہ ہے کہ برتاؤ میں اپنی بڑے پن کے ادب کی تم سے توقع نہ رکھے۔ کل اگر سیّد وحمید کی دُلہنیں تمہارا ادب واحترام نہ کریں تو تمہیں اچھا معلوم ہوگا۔

ایک ہندی مثل ہے، مت کر ساس بُرائیاں، تیرے بھی آگے جائیاں، ایسے ہی موقع کیلئے کہی گئی ہے، آج تم بھاوج ہو وہ نند ہے، کل تم بھی کسی بھاوج کی نند بنوگی۔ آج جو برتاؤ تم اپنی نند سے کرو، اُسی قسم کے برتاؤ کی اپنی بھاوجوں سے اُمید رکھو۔

اب قریب تر رشتہ داروں میں تمہاری جٹھانیاں ہیں، ان میں سے ہر ایک رشتہ کے علاوہ تم سے محبت کا تعلق رکھتی ہے، اور ہر ایک تم سے ادب آمیز خلوص اور ارتباط (میل ملاپ) کی مستحق ہے۔ مردوں کا واسطہ عورتوں سے نہیں ہوتا، اسلئے خوب سمجھ لو کہ جس جٹھانی کے دل میں تم جتنی گنجائش پیدا کرلوگی اُس کے شوہر کی نگاہ میں اتنی ہی تمہاری عزت اور وقعت ہوگی کہ وہ انہیں کی آنکھوں سے

تمہیں دیکھیں گے اور ان ہی کی زبانوں سے تمہارے متعلق ہر ہر بات اُن کے کانوں میں پہنچے گی۔

ایک گُر بتاتا ہوں، آزماؤ گی تو بے خطا پاؤ گی، جس ماں کی محبت تم حاصل کرنا چاہو اسکے بچوں سے محبت کرو، ماں خود بخود تمہاری گرویدہ ہو جائیگی، تمہاری جٹھانیاں خدا کے فضل سے سب صاحبِ اولاد ہیں ان کے بچوں سے محبت کرنا انکی ذاتی محبت کو خرید لینا ہے۔

یہاں سید احمد مرحوم، سید محسن و مستحسن کے ساتھ جو تمہارا طرزِ عمل رہا ہے اسکو دیکھتے ہوئے اس خصوص میں تمہیں کسی ہدایت کی ضرورت نہیں پائی جاتی، بچے فطری طور پر محبت کے بُھوکے ہوتے ہیں، ذرا سی اُنکے ہاتھ اور منہ کی صفائی کا خیال رکھنے سے وہ پرچائے جاسکتے ہیں۔

اس احتیاط کی بیشک ضرورت ہوگی کہ باہمی آویزش (چپقلش، لڑائی) کی لپیٹ میں اپنے کو نہ آنے دینا، بچوں کی باہمی لڑائی میں کسی بچہ کی نامناسب حمایت کر کے ایک کی ماں کو خوش اور دوسرے کی ماں کو ناخوش نہ بنالینا۔

لڑکی جب میکے سے رخصت ہوتی ہے تو اس کو نہ صرف والدین، بہن بھائی بلکہ میکے کے در و دیوار سے چھوٹنے کا صدمہ ہوتا ہے۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ جب تک رہے بسے محبت کا اندازہ نہیں ہوتا۔ جُدا ہونے پر انکی ذرا ذرا سی بات یاد آن کر دل میں چٹکیاں لیتی اور جذباتِ محبت میں ہیجان پیدا کرتی ہے۔

وہ سسرال پہنچ کر جب اپنے کو غیر مانوس لوگوں میں گھرا پاتی ہے تو اُس کا خیال ہر وقت بچھڑے ہوئے ماں باپ، بہن بھائی میں لگا رہتا ہے اور وطن کے در و دیوار کی تصویر اُس کی نگاہوں میں پھرتی ہے۔

ان ابتدائی ایام میں اگر چھیڑ نہ کی جائے تو وہ سسرال والوں سے مانوس ہو

جائے اور میکہ کا خیال رفتہ رفتہ کم ہو جائے۔

تجربہ سے ایسی مثالیں پائی گئی ہیں کہ ابتداء جیسی کہ میکے والوں کی برائیاں لڑکی سے نہیں سُنی جاتیں، کچھ دن گذرنے پر وہ سسرال والوں کے متعلق بھی کوئی خلاف بات برداشت نہیں کرسکتی، لیکن محبت کی ماری اور دوستوں کی جدائی کی ستائی لڑکی کو سسرال میں خواہ مخواہ ان ناگوار باتوں کے سننے پر مجبور کیا جاتا ہے، اس کے ماں باپ، بہن بھائی اور میکے کے ہر شخص اور ہر چیز میں عیب اور نقص نکالا جاتا ہے وہ غریب ان باتوں کو سن کر گھٹتی اور اپنی بے بسی پر آنسو بہاتی ہے، اگر کسی لڑکی نے منہ پھوڑ کر جواب دیدیا تو فوراً ہی بے شرم، زبان دراز اور منہ پھٹ کے خطاب تجویز کردئے جاتے ہیں۔

ضبط کرنے اور نہ جواب دینے والی لڑکیاں بھی اس نتیجہ قدرتی کو کہ سُسرال والوں کی طرف سے اُن کے دل میں میل آئے نہیں روک سکتیں، ان باتوں کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر ایک مہینہ میں دُلہن مانوس ہوتی تو اب اُنس کے پیدا ہونے میں ایک سال لگ جاتا ہے پھر بھی بعض تلخ و ناخوشگوار واقعات کی یاد عمر بھر باقی رہتی ہے۔

دنیا میں دشمن بھی کئی طرح کے ہوتے ہیں۔

اپنا دشمن، اپنے دوست کا دشمن، اپنے دشمن کا دوست۔

لڑکی جو میکے کی فدائی ہوتی ہے جب اپنے چہیتے لوگوں کی برائیاں سنتی ہے تو وہ ان کو اپنی دوستوں کا دشمن سمجھ کر اپنا دشمن ماننے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

خدا سُسرال والوں کو عقل دے اور وہ نئی دلہن کے سامنے اسکے میکے کی بُرائیوں کے بجائے کچھ دنوں تعریف کرکے آزمائیں اور دیکھیں کہ اس تدبیر سے دُلہن کس قدر جلد اُن کی گرویدہ اور جاں نثار بن جاتی ہے لیکن کیا کیا جائے کہ

اس معاملہ میں ہماری معاشرت حد درجہ خراب اور محتاجِ اصلاح ہے، اسلئے فاطمہ غیر ممکن ہے کہ اس قسم کی باتوں سے تمہیں واسطہ نہ پڑے۔

لیکن دنیا کی ہر بات میں دو میں سے ایک پہلو ضرور ہوتا ہے، یا تو وہ بات سچ ہوتی ہے یا جھوٹ، اگر کوئی سچی بات کہی جائے تو سننے والے کو بُرا نہ ماننا چاہئے۔

بے شک اسلام تو اس کو بھی جائز نہیں رکھتا کہ کسی کا دل دُکھانے یا رنج دینے کی نیت سے کوئی سچی بات بھی زبان پر لائی جائے۔

فرض کرو بدنصیبی سے کوئی دُلہن کانی ہے، خدا کی مرضی، اس میں کس کا اختیار تھا، اب اگر کوئی اس کو کانی دلہن کہہ کر مخاطب کرے، یا جب اسکی طرف دیکھے اپنی خاصی اچھی آنکھ بند کرلیا کرے تو ضرور اس کو رنج پہنچے گا۔

کسی دلہن کا باپ بخیل ہے، اس کا نام کنجوس کی بیٹی رکھ دیا جائے تو اس کا دل دُکھے گا، کسی دلہن کا بھائی لنگڑا ہے اُسے لنگڑے کی بہن کہہ کر پکارا جائے تو ضرور اُس کو ناگوار ہوگا، اس لئے مذہب نے اس قسم کی سچی باتوں سے بھی منع کیا ہے، جو محض دل آزاری کیلئے کی جائیں۔

لیکن بالفرض کوئی کہنے والا مذہب کی تاکید کی پرواہ نہ کر کے اپنے ضمیر کی ملامت کی بھی پرواہ نہ کر کے ایسی اوچھی باتوں پر اُتر آئے تو پھر سننے والے کو چاہیئے کہ صبر و تحمل سے کام لے اور دل میں انصاف کرے کہ جو کچھ کہا جارہا ہے سچ ہے، میں کیوں بُرا مانوں، اور اگر وہ بات جھوٹی ہے تو پھر بُرا ماننے کی بجائے اس کا بہترین جواب ایک خوشگوار تبسم ہوسکتا ہے، جھوٹ آخر جھوٹ ہے، ایک دن ظاہر ہو کر رہے گا، تو کہنے والا خود شرمندہ ہوگا، ہم کیوں فوراً اسے جھٹلا کر لڑائی مول لیں۔

اور مان لو کہ جھوٹ ظاہر نہ ہوا تو بھی کہنے والا خدا کا گنہ گار ترین گیا، یہ سزا اس کے لئے کیا کم ہے۔

ذوقؔ دہلوی کا ایک قطعہ اس وقت یاد آگیا، تم بھی اسے پڑھ کر تھوڑا سا غور کر لینا تو تسلی ہو جائے گی۔

ٹو بھلا ہے تو بُرا ہو نہیں سکتا اے ذوقؔ
ہے بُرا وہ کہ جو تجھ کو بُرا جانتا ہے
اور اگر تو ہی بُرا ہے، تو وہ سچ کہتا ہے
کیوں بُرا کہنے سے اس کے تو بُرا مانتا ہے

اگر تھوڑے دنوں تک تم ان مواقع پر صبر و تحمل سے کام لیتی رہیں تو یہ باتیں کم ہوتے ہوتے بالکل ختم ہو جائیں گی۔

کہنے والوں کی غرض چھیڑ چھاڑ سے یہ ہوتی ہے کہ کوئی بگڑ کے جواب دے، بات بڑھے، جب جواب ہی نہ ملے گا تو ہار کر خود ہی بیٹھ رہے گی۔

صبر بڑا کڑوا، اور کسیلا معلوم ہوتا ہے مگر جب اسکی عادت ہو جاتی ہے تو یہ بڑا ہی خوشگوار اور فائدہ بخش ثابت ہوتا ہے۔

اللہ پاک فرماتا ہے:۔اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (پ۲ سورہ البقرہ آیت ۱۵۳)
تحقیق اللہ پاک صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

یہ صبر کا ایسا بڑا انعام اور صبر کرنے والے کے لئے ایسی بڑی نعمت ہے، جو صبر کرتے ہیں وہی اس کا لُطف اٹھاتے ہیں اور اس لذت سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔

سُسرال والوں کی نظر دُلہن کے ہر ہر کام اور ہر حرکت پر ہوتی ہے، کیسے اٹھی، کیسے بیٹھی، کیسے چلی، کب سوئی، کب بیدار ہوئی، گھونگھٹ کس طرح کھولا، مناسب اندازہ سے، یا نامناسب، کسی سے بات کی تو کیا کی اور جو کی بھی تو کس انداز سے کی۔

اس امتحان میں پورا اُترنا ایک نئی نویلی دُلہن، ایک الھڑ لڑکی کیلئے کتنا ہی

دشوار سمجھ لیا جائے، مگر غیر ممکن نہیں، آخر ہر لڑکی کو ایسی عمر میں بلکہ تم سے کم عمر میں دلہن بننا اور اس منزل کو طے کرنا، اس امتحان کو پاس کرنا پڑتا ہے، کوئی معلم ساتھ نہیں ہوتا، کوئی استانی میکے سے لڑکی کے ساتھ نہیں کی جاتی کہ ہر بات کو سمجھاتی اور ہر کام کو بتاتی رہے، نسوانی ذکاوت (ذہانت، تیز فہمی) اور خداداد ذہانت ہی ان کی مشعلِ راہ ہوتی ہے اور عموماً لڑکیاں اس میں کامیاب ہی رہتی ہیں، اِلّا مَاشَاءَ اللّٰہ

سمجھدار لڑکیوں کا طرزِ عمل یہ ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ شوہر کے سونے کے بعد آرام کرتی اور اُسکے بیدار ہونے سے پہلے اٹھ کر اپنی ضروریات سے فارغ ہو جاتی ہیں تاکہ شوہر کے بیدار ہونے پر اُس کی ضروریات کا اہتمام کر سکیں۔

شروع میں شاید کچھ تکلیف ہو، مگر عادت ہو جانے پر ایسا کرنا معمولی بات معلوم ہوتی ہے، چراغ میں بتی پڑتے ہی سو جانا اور دن نکلنے تک بستر کو نہ چھوڑنا ہر حالت میں بُرا ہے۔

اپنے زیر استعمال ہر چیز صاف ستھری اور سلیقہ کے ساتھ رکھنا چاہیے، بستر، کپڑے، جسم، کمرہ جس میں قیام ہو، آراستہ اور اس میں ہر چیز قرینہ (سلیقہ۔ ترتیب سے) سے رکھی ہوئی، ایک سلیقہ شعار اور تمیز دار خاتون کے لئے ضروری ہے۔

چند روز دُلہن شرم کی وجہ سے ایسی کاموں کی طرف بھی توجہ نہیں کر سکتی کہ اُس کا اُٹھنا اور کچھ کام کرنا بھی بے شرمی ہی کہلائے گا لیکن آخر کچھ نہ کچھ وقت ایسا بھی مل ہی جاتا ہے کہ کمرے میں کامل تنہائی ہے، صفائی پسند طبیعتیں اتنی ہی مہلت میں اپنا کام کر لیتی ہیں۔

شرفاء میں سال بھر تک دُولہن سے کوئی کام نہیں لیا جاتا، اس زمانہ میں گھونگھٹ میں رہتی ہے، مگر سمجھدار لڑکیاں ان دنوں میں بھی گھر والوں کا کچھ نہ

کچھ ہاتھ بٹاتی ہی رہتی ہیں، گھر والوں کے کپڑوں کا سینا پرونا، بچوں کی دیکھ بھال، چھوٹے بچوں کے ذریعہ سے بڑوں کی ضروریات کی دریافت اور تکمیل۔

حقیقت میں سُسرال والے اسی زمانہ فرصت میں یہ رائے قائم کر لیتے ہیں کہ دُلہن اپنے گھر کو کیسا چلا سکتی ہے، سمجھدار لڑکیاں کوشش کرتی ہیں کہ اُن کے متعلق نیک رائے قائم ہو اور اچھے خیالات ظاہر کیئے جائیں۔

ان میں سے ہر ایک بات میں میں تمہاری فہمِ خداداد (خدا کی دی ہوئی) اور سلیقہ کی بناء پر حُسنِ ظن رکھتا ہوں کہ تم سُسرال میں ہر ایک کے دل میں محبت، ہر ایک کی نگاہ میں عزت پیدا کرنے میں انشاءاللہ کامیاب ہوگی۔

انسان، سہو و نسیان کا پُتلا ہے اور یہ بھی تم نے سُنا ہوگا کہ بے عیب صرف خداوند عالم کی ذات ہے، اس کا یہ مطلب ہوا کہ کوئی انسان نقص، عیب، خطاء نسیان سے پاک نہیں، کوئی نہ کوئی عیب، کوئی نہ کوئی نقص ضرور ہر ایک میں ہوتا ہے۔

عقلمند وہ ہے کہ خود اپنی ذات اور اپنے قول و فعل یعنی کردار و گفتار پر ایک نکتہ چیں کی طرح نگاہ رکھے، جہاں ذرا سی بھی لغزش پائے رُک جائے، جہاں غلطی پر تنبیہ ہو، اصلاح کرے۔ اپنے کو معصوم، ہر خطا سے پاک، ہر نقص سے مبرا (پاک، بے عیب) سمجھ لینا بڑی غلطی ہے۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی ہمدرد عزیزہ نے از راہ خلوص و ہمدردی تمہاری کسی غلطی پر ٹوکا، لازم تو یہ تھا کہ تم اُن کی شُکر گذار ہوتیں، اپنی غلطی پر ندامت (شرمندگی) کا اظہار کرتیں اور آئندہ سے وہ غلطی نہ کرنے کا عہد کرتیں، اُلٹا کبیدہ خاطر ہو گئیں۔ عربی کا ایک مقولہ ہے:

رَحِمَ اللّٰہُ مَنْ ھَدَایٰ اِلٰی عُیُوْبِیْ۔

اللہ رحمت نازل کرے، اُس پر جو مجھے میری بُرائیوں سے مطلع کرے۔

وہ تمہارا بڑا ہی سچا دوست ہوگا جو تمہاری بُرائی کو تم پر ظاہر کردے، ایسے دوست کا احسان مند ہونا چاہیئے، کہ اُلٹا اُس سے ناراض ہو کر احسان فراموشی کا گُناہ بھی اپنے سر پر لا دلینا چاہیئے۔

جو تمہاری تعریف تمہارے منہ پر کرے، خوشامد پسند لڑکیوں کی طرح، اُس کی باتوں میں نہ آؤ، جو کسی کی بُرائی تمہارے سامنے کرے، خوب سمجھ لو کہ یہ تمہاری بُرائی بھی دُوسروں کے سامنے کرنے سے نہ چُوکے گا۔

اس لئے جب ایسے مواقع پیش آئیں، عقل سے کام لو، غور و فکر کر کے رائے قائم کرو اور سوچ سمجھ کر عمل کرو، انشاء اللہ ہر کام میں آسانی ہوگی۔

سب سے زیادہ غیر مانوس اور اجنبی شخصیت دولہن کے لئے شوہر کی ہوتی ہے اور سب سے زیادہ کام اسی سے پڑتا ہے، اُسی کے ہاتھ میں دُولہن کا ہاتھ دیا جاتا ہے اُسی کے دامن سے غریب باندھی جاتی ہے، اُسی کی اطاعت کا حکم خدا اور رسول ﷺ نے دیا، اُسی کی فرمانبرداری کی ماں اور باپ نے چلتے چلتے تاکید کی ہے۔

اسی کی نگاہوں میں عزت اور دل میں گنجائش پیدا کر کے عورت دوسروں کی نگاہوں میں منزلت اور دلوں میں وقعت پاتی ہے۔

جو عورت شوہر کی نگاہوں سے گری، دونوں جہان سے گئی۔

شوہر کو اپنا کر کے ہی وہ سُسرال میں راج کر سکتی ہے، اس میں ناکام رہی تو گھر کی لونڈی سے بدتر اُس کا درجہ ہوتا ہے۔

ہر انسان مرد ہو یا عورت، جانوروں کو سدھا لیتا ہے، ریچھ اور شیر جیسے آدم خور، ہاتھی جیسا زبردست، بندر جیسا خود غرض، طوطے جیسا بے مرّوت (لحاظ نہ کرنے والا) جانور جب انسان کا گرویدہ ہو سکتا ہے تو ایک انسان کا دوسرے کو رام کر لینا کیا دشوار ہے۔

یہ سچ ہے کہ شروع میں محنت اور خدمت کرنا پڑتی ہے، اپنا آرام حرام کر کے ہی دوسرے پر قابو حاصل کیا جا سکتا ہے۔

شیر، ریچھ، بندر کے سدھانے میں تو بہت زیادہ دقتیں ہوتی ہوں گی، ایک میاں مٹھو کے پرورش کرنے میں تمہیں کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔

پنجرا خریدتے ہیں، اس میں دانہ اور پانی کے لئے دو برتن جدا جدا رکھتے ہیں، بلی سے، نیولے سے رات دن حفاظت کرتے ہیں، دن رات میں کئی کئی بار آٹے کی گولیاں بنا بنا کر کھانا سکھاتے ہیں، گھنٹوں ان سے سر مغزن کرتے ہیں کہ ان کو بولنا آجائے۔ سردی سے حفاظت کے لئے پنجرے پر غلاف چڑھاتے ہیں، گرما میں پنجرا صحن میں لٹکاتے ہیں، بارش میں خیال رکھنا پڑتا ہے کہ کہیں پیراہن (کپڑا، لباس) بھیگ نہ جائے۔

دنیا اور دین کا جس سے کوئی فائدہ نہیں، صرف دل بہلاؤ کے لئے کتنے جتن (کوشش، دوڑ دھوپ) کرنے پڑے، تب کہیں مہینوں میں اور برسوں کی محنت کے بعد میاں مٹھو اس قابل ہوئے کہ پاک ذات اللہ، اللہ کا رسول کہہ سکے، اور اگر کہیں اس درمیان میں بلی کا داؤں چل گیا یا پنجرے کی کھڑکی ہی اتفاق سے کھلی رہ گئی تو طوطا چشم میاں مٹھو ساری محنت اور ریاضت پر خاک ڈال اُڑن چُھو۔

ایک بے اصل اور ناکارہ طوطے کے لئے اگر مصیبتیں برداشت کی جاسکتی ہیں، تو اسکے رام کرنے کے لئے جس کی خدمت سے خدا اور رسول کی رضامندی، دنیا اور آخرت کی بھلائی کے علاوہ خود اپنی زندگی بھی چین، آرام، عزت، منزلت (قدر) سے گذرے، اگر دن کو دن نہ سمجھا جائے اور رات کو رات نہ گنا جائے تو کیا بے جا ہے۔

اس میں سب سے بڑی امداد کا تو اللہ نے خود ہی وعدہ فرمایا ہے کہ رشتہ

ازدواج کے قائم ہوتے ہی الفت ومحبت کی تخم پاشی (بیج بونا۔ بیج ڈالنا) کردی گئی ہے، پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وصایائے حُسن سلوک موجود ہیں۔

پھر شوہر تو آخر ایک انسان ہی ہے، فطرتاً اُنس ومحبت کا خواہشمند، اس نے نکاح اسی لئے کیا ہے کہ بیوی سے اس کو محبت وآرام کی دوگونہ نعمتیں ملیں گی، اگر واقعی بیوی سے اسکی یہ توقعات پوری ہوں تو کوئی ایسا عقل کا دشمن ہوگا کہ اسکی ناقدری کرے گا۔ تمناؤں کے بعد جو مُراد بر آتی ہے اس کو دل میں جگہ دی جاتی ہے، ٹھکرائی نہیں جاتی۔

بیوی کو شوہر کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے کیا کیا کرنا چاہیئے اس کا کوئی قاعدہ تو نہیں بنایا جاسکتا، حالات جُدا ہوتے ہیں، افتادِ مزاج (فطرت، طبیعت) یکساں نہیں ہوتی۔

یہ بیوی ہی جان سکتی ہے کہ میاں کیا چاہتا ہے اور اسکو کیا کرنا چاہیے، سمجھدار خواتین جلد میاں کی مزاج شناس بن جاتی ہیں، وہ اپنے شوہر کی ہر خواہش کا احترام کرتیں اور اپنی راحت وآرام پر شوہر کی راحت رسانی کو ہمیشہ مقدم سمجھتی ہیں۔

ایک شوہر نے اپنے دوست سے بیان کیا کہ ہر مرتبہ جب میں گھر میں جاتا ہوں میری بیوی ایک نئی محبت کی زنجیر کا میرے پاؤں میں اضافہ کر دیتی ہے۔ دوست نے تعجب سے پوچھا "کیونکر" تو شوہر نے جواب دیا کہ جب میں مکان کے اندر قدم رکھتا ہوں، میری بیوی کھڑی ہو جاتی ہے، اُس کا چہرہ ایسا شگفتہ اور متبسم (مسکرانے والا) ہوتا ہے، اور اسکے ہر انداز سے یہ پایا جاتا ہے کہ میرے آنے کا وہ بے چینی سے انتظار کرتی رہی، اور میرے ملنے پر وہ حد درجہ مسرور اور مطمئن ہے۔ جب تک میں گھر میں رہتا ہوں اُس کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ میری ہر ضرورت اور میری ہر خواہش کی تکمیل وہ میرے اظہار سے پہلے کر دے"۔

ایک دوسرے شوہر نے اپنی بیوی کا کارنامہ ایک بڑے ہی فخر و محبت سے یوں بیان کیا کہ ایک بار دھوبی کے خاندان میں کوئی موت ہو گئی، کئی ہفتے ہو گئے کپڑے نہ دُھل کر آئے، نہ مَیلے کپڑے دُھلنے کے لئے جا سکے، بدن پر جو لباس تھا وہ بھی میلا ہو چکا تھا، میں نے کچہری جاتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا کہ آج بھی اگر کپڑے نہ آئے تو سوائے اسکے کہ ایک نیا جوڑا تیار کرایا جائے کوئی چارہ نہ ہوگا، جب میں دفتر سے واپس ہوا تو دو جوڑے صاف وشفاف استری کئے ہوئے میز پر رکھے تھے۔ میں نے پوچھا کیا دھوبی کپڑے دے گیا تو بیوی نے مُسکرا کے جواب دیا کہ آج ایک نئی دھوبن مل گئی تھی۔

اُس وقت تو میری کچھ سمجھ میں نہ آیا، غسل خانہ جانے پر یہ راز کھل گیا کہ یہ سب کچھ میری محبت پرست رفیقہ حیات ہی کا شاہکار تھا۔

ہمسایہ کے لڑکے سے صابون منگایا، سوڈا گھر میں موجود تھا، پیتل کے بے پیندے لوٹے سے استری کا کام لیا اور دو جوڑے تیار کر لئے۔

ان دونوں خواتین نے تھوڑی سی محنت اور سلیقہ سے اپنے اپنے شوہر کے دل میں کتنی گنجائش پیدا کر لی کہ مردوں کا منت پذیر (احسان مند، احسان ماننے والا) قلب اُن کے گُن گانے (تعریف کرنے) اور راگ الاپنے لگا۔

ہمارے گھر میں جو خدمتی (خدمت گار، کارکن) لوگ ہوتے ہیں اُن میں ہمیں سب سے زیادہ پیارا وہی ہوتا ہے جس سے ہم کو زیادہ آرام ملے، ایسا کوئی لڑکا یا لڑکی اگر کسی وجہ سے بیٹھ رہے تو دنوں اسکی یاد کرتے ہیں، اور دوسروں کے سامنے مثال کے طور پر اُس کی خدمت کی تعریف کرتے ہیں، کام چور آدمی نوکری چھوڑ دے تو کسی کو پرواہ نہیں ہوتی بلکہ اور خوش ہوتے ہیں کہ پیچھا چھوٹا۔

اور یہ نوخیز (نوجوان) آدمیوں کا حال ہے، گھر کی چیزوں میں سب سے

زیادہ نگہداشت ہم انہیں چیزوں کی کرتے ہیں، جو ہمارے لئے زیادہ کارآمد ہوں، بہت سی چیزیں جو کام میں نہیں آتی ہیں، ناقدری سے ادھر اُدھر پھینکی پھرتی اور تلف (گم، ضائع) جاتی ہیں۔

روزانہ استعمال کی کنگھی، تولیہ اگر آنکھوں سے اوجھل ہو جائے تو فوراً اُن کی تلاش کرنا پڑتی ہے۔

جس بیوی نے اپنی خدمت واطاعت سے شوہر کے دل پر یہ نقش جما دیا کہ اُس کا وجود شوہر کے راحت وآرام اور خانگی سکون وطمانیت کے لئے ضروری ہے اس کے ایک لمحہ کی مفارقت سے بھی اس کو بے آرامی اور اسکے گھر کے نظام میں ابتری ہو جائے گی یقیناً وہ شوہر کی محبوب بیوی بن کر رہے گی۔

جس بیوی کا وجود شوہر کی ذات اور اُس کے گھر کے لئے بے کار ہو، وہ موجود ہے، تو، کہیں مہمان گئی ہے تو، کسی حالت میں شوہر کو کوئی احساس راحت یا بے آرامی کا نہیں ہوتا، نہ گھر میں اسکی موجودگی یا عدم موجودگی سے کوئی تغیر پایا جاتا ہے نہ وہ کبھی شوہر کی محبت حاصل کر سکتی ہے نہ اسکی نگاہوں میں عزت ووقعت۔

کام چور نوکر تبدیل کیا جا سکتا ہے، تکلیف دہ مکان کو مرضی کے مطابق تعمیر کیا جا سکتا ہے لیکن یہ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کے ساتھ جو ایک ہلکی سی گرہ باندھی گئی ہے اتنی مضبوط اور ایسی مستحکم ہے کہ رشتۂ حیات ہی کے قطع ہونے پر اس سے پیچھا چھوٹ سکتا ہے۔

پھر کیسی ناسمجھ اور بے عقل ہے، وہ لڑکی کہ چند دن کی تکلیف برداشت کر کے زندگی بھر کی راحت اور آرام کو حاصل نہیں کرتی، چند دن کی تن آسانی کے عوض عمر بھر کی مصیبت اپنے لئے خرید رہی ہے۔

دیکھو، تمہاری آپا جب کبھی یہاں مہمان آتی ہیں، پندرہ بیس روز کے بعد ہی سُسرال سے خط آنے شروع ہو جاتے ہیں کہ تمہارے دُولہا بھائی کو سخت تکلیف ہوتی ہے اُن کی خوشدامن (ساس،) کا جی نہیں لگتا، تمہاری والدہ کو کیسا شاق گذرتا ہے مگر میں ہمیشہ اُن کو سمجھاتا ہوں، تم بارہا دیکھ چکی ہو کہ میں اُن کی مرضی کے خلاف لکھ بھیجتا ہوں کہ آن کر لے جایئے ہمیں کوئی عذر نہیں۔

تمہاری ماں خدانخواستہ جب علیل (بیمار) ہوتی ہیں میری حالت تم دیکھتی ہو کیا ہو جاتی ہے، تم نے اکثر مجھے یہ کہتے سُنا ہوگا کہ کاش ان کا مرض مجھے ہو جاتا، ایسا میں کیوں کہتا ہوں، گھر کے نظام کے متعلق جو اطمینان مجھے اُن کی تندرستی کی حالت میں رہتا ہے، وہ جاتا رہتا ہے، اپنی بیماری کی چنداں پرواہ نہیں کرتا کہ اس سے گھر میں کوئی ابتری نہیں ہوتی، اپنی ذات کے متعلق شوہر اور اراکین اور دوسرے اراکین خاندان کا یہ حسنِ ظن حاصل کرنا ہر دُلہن کا پہلا فرض ہے۔

مجھے بڑی خوشی ہوگی کہ تم یہاں مہمان آؤ اور تمہارے آنے کے بعد تمہاری سُسرال سے بھی ایسے ہی خط آئیں کہ دُلہن کی عدم موجودگی کی وجہ سے ہمیں بے آرامی ہے، ہمارا دل نہیں لگتا، تمہاری ماں بگڑیں اور میں اُن کی مرضی کے خلاف تمہیں جلد از جلد یہاں سے سُسرال روانہ کروں۔

خدا میری یہ آرزو بر لائے۔

اب مجھے ایک دوسرا پہلو اور واضح کرنا ہے۔

ابھی مہینے دو مہینے کی بات ہے کہ تم نے ازراہِ سعادت مندی مجھ سے دریافت کرایا تھا کہ ذکیہ کا خط آیا ہے، آپ اجازت دیں تو جواب بھیج دوں۔

آج تک تمہاری ذات پر مجھے یہ اختیارات حاصل تھے، آج سے میرے اختیارات سلب ہوتے ہیں اور تمہاری ذات کے متعلق کُلی اختیارات تمہارے

شوہر اور تمہارے سُسرالی خاندان کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔

لڑکی کے متعلق والدین کی بے کسی اور بے بسی کا ایک واقعہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہو، کچھ زیادہ دن نہ ہوئے کہ تمہارے اور تمہاری ماں کے اصرار پر بلقیس کے بلانے کے لئے میں نے اجازت منگالی تھی، قصد تھا کہ زادراہ کا انتظام ہو جائے تو جا کر اُسے لے آؤں کہ یکا یک ایک دن اُس کی علالت کا تار آ گیا، لفافہ لیکر میں اندر گیا تو ضبط نہ ہوا، آنسو بہنے لگے، اظہارِ حال پر تم اور تمہاری ماں بھی بہت پریشان ہوئیں، میں نے فوراً روانگی کا قصد کیا، تم کو بھی اس خیال سے ہمراہ لیا کہ اگر بلقیس قابلِ سفر ہوئی تو اجازت مل ہی چکی ہے، اپنے ساتھ لے آؤں گا، اگر خدانخواستہ لانے کے قابل نہ ہوئی تو خود تو زیادہ قیام نہ کر سکوں گا تمہیں اسکی خدمت کیلئے چھوڑ آؤں گا۔

راستہ میں مجھے اور تمہیں جس قدر وسواس آتے رہے اور جیسی جیسی دعائیں کیں کہ اللہ اسے اچھا دکھانا، چونکہ تم خود ساتھ تھیں دُہرانا عبث ہے۔ خدا کے فضل و کرم سے ایک رات پہلے سے اسکی حالت اصلاح پذیر ہو چکی تھی، چار دن ہم رہے، اس کا خیال بھی نہ تھا کہ اسکے بھیجنے میں کوئی عذر کیا جائیگا مگر تمہارے دُولہا بھائی نے یک لخت اپنا ارادہ بدل دیا، اپنا کوئی بس نہ تھا، یہ حجت بھی نہ کی جا سکتی تھی کہ اجازت دے کر اب کس طرح واپس لی جاتی ہے، جس کوفت (صدمہ، دُکھ) اور حرمان (ناامیدی، مایوسی) کے ساتھ واپسی ہوتے وہ تحریر میں لائی ہی نہیں جا سکتی، نہ تم مجھ سے بات کرتی تھیں نہ میں تم سے مخاطب ہوتا تھا۔

میں باپ تھا مگر اپنی لڑکی کے متعلق اتنا بے بس تھا۔

فتح پور کے اسٹیشن سے میں نے تمہارے دُولہا بھائی کو جو خط لکھا وہ میرے جذباتِ بے بسی کا آئینہ تھا، عنوان کا شعر اب تک یاد ہے:۔

غنیؔ روزِ سیاہ پیر کنعاں رانما شا کُن
کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

یہ تمہارے دُولہا بھائی کی انتہائی سعادت مندی تھی کہ انھوں نے معذرت اور آئندہ برتاؤ سے اس تلخ واقعہ کی یاد کو ہی میرے دل سے محو کردیا۔

لیکن اگر بلقیسؔ یہاں ہوتی تو اس کے لے جانے کی کوئی اطلاع بھی نہ کی جاتی، حصولِ اجازت کا تو ذکر ہی کیا ہے، تو کیا میں بھی ایسا کرسکتا تھا کہ نہ بھیجوں، اور وہ بلائے چلے جائیں اور کیا ایسا ہوا نہیں، کئی بار ہو چکا ہے، تمہاری ماں کیسی کیسی بگڑی ہیں مگر میں نے ہی اُن کو سمجھایا کہ اب تمہارا کیا بس ہے، وہ مختار ہیں۔ جب تک یہاں رہنے کی اجازت دیں، احسان ہے، جب لے جائیں اختیار رکھتے ہیں۔

فاطمہؔ! آج ڈولے میں سوار کرانے کے بعد تم بھی میرے لئے مثل بلقیس کے غیر ہوجاؤ گی، میں تمہاری صورت دیکھنے کے لئے ترسوں گا، تمہاری خیریت دریافت کرنے کے لئے تڑپوں گا، وہاں پہنچا تو بھی بلا اجازت تمہارے گھر میں قدم نہ رکھ سکوں گا، تم بلا اجازت میرے پاس نہ آسکو گی، بلا استفسار (دریافت کرنا، پوچھنا) میکے کو خط نہ لکھ سکو گی، اگر انکی خوشی ہوئی تو ماں باپ کے پاس مہمان داخل آسکو گی، وہ بھی اس طرح کہ جتنے دن کی اجازت ہے، اس سے ایک لحظہ زیادہ تم نہ ٹھہر سکو گی، نہ ماں باپ کی مجال ہوگی کہ ٹھہرا سکیں، بھیجنے والوں کو یہ حق اور اختیار ہر وقت حاصل رہے گا کہ ایک مہینہ کی اجازت دے کر بھیجیں اور ہفتہ کے اندر ہی بلا اطلاع آکر لیجائیں، یہاں سے اگر کوئی لینے کو گیا خواہ اسے پہلے سے اجازت بھی دے دی گئی ہو لیکن جی چاہے گا ساتھ کردیں گے نہ جی چاہے گا تو نہ بھیجیں گے، باپ ہو یا بھائی، اسکو جرأت نہ ہوگی کہ ایک لفظ شکایت

زبان سے نکال سکے، اپنا سامنہ لیکر واپس آجائے گا،تم اپنے جذبات کوزبان سے تو کیا، قیافہ (اندازہ۔قیاس) و بشرہ (حلیہ۔چہرہ) سے بھی یہ ظاہر نہ کرسکوگی کہ تم میکے جانا چاہتی ہو یا باپ بھائی کا اس طرح واپس جانا تم پرشاق یا گراں گذرا، پہلے زمانے میں انسان، انسان کوخرید کر کے لونڈی اور غلام بنا لیتے تھے، مالک کو اپنی لونڈی اور غلام پر ہر طرح کے مالکانہ اختیارات ہوتے تھے، سخت سے سخت خدمت لینا، جیسا چاہنا، کھلانا پلانا، مالک کی مرضی کیخلاف ان کونقل وحرکت تک کی اجازت نہ ہوتی تھی، اسلام نے جس طرح عورتوں کوحقوق دلائے لونڈی غلام کوبھی آزادی بخشی، اب نہ وہ مظلوم لونڈی غلام ہیں نہ جابر مالک۔

لیکن ایک جابر مالک کوبھی اپنے زرخرید لونڈی پر وہ اختیارات نہ تھے، نہ ہو سکتے تھے جوایک شوہر کواپنی بیوی پر حاصل ہیں۔

بیشک لائق اور سمجھدار مرد بھی اپنے ذمہ عورتوں کے حقوق تسلیم کرنے اور اُن سے مساوات کے برتاؤ کولازمۂ انسانیت اور تقاضائے شرافت سمجھتے ہیں۔

اور جب میاں بیوی میں یکجہتی ہو جاتی ہے تو پھر من وتو کا فرق خود بخود مٹ جاتا ہے۔

مگر جب تک بیوی اپنی قابلیت سے اس درجہ کو حاصل نہ کرے اسے ہمیشہ اپنی حیثیت کوپیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ میں کیا ہوں اور شوہر کیا مرتبہ اور حیثیت رکھتا ہے۔

پیاری فاطمہ! ہر شخص کوئی بھی کام ہو دُوسرے سے سیکھتا ہے، تم نے پڑھنا، لکھنا، سینا، پرونا، کھانا پکانا آخر کسی سے سیکھا، اسکے بعد اپنی ذہانت اور محنت سے تم نے اس میں ترقی کی اور مشاق بن گئیں۔

سُسرالی خاندان میں رہائش اور برتاؤ اور شوہر کی راحت رسانی کے معاملہ میں بھی تم اپنی بہن بلقیس کی تقلید کرنا، اسکے حالات سے تم خوب واقف ہو، چھوٹے چھوٹے بچوں کی نگہداشت کا فرض انجام دیتے ہوئے بھی وہ اپنی ساس،

سُسر اور تمام رشتہ داروں کو کیسا آرام پہنچاتی ہے اور اپنے شوہر کی کیسی خدمت گزار اور فرمانبردار ہے، اسی اطاعت و فرمانبرداری کا صلہ ہے کہ وہ ہردلعزیز اور سب کی محبوب ہے۔

خدا کرے تم بھی اپنے سسرال میں ایسی عزت اور بات پیدا کرو جیسی کہ بلقیس نے حاصل کی ہے۔

لڑکی کی رخصت کو ''زندہ جنازہ'' بجا طور پر کہا جاتا ہے

سید احمد مرحوم سارے گھر کو کتنا عزیز تھا، خود تم بھی اُس پر جان چھڑکتی تھیں لیکن جب روح نے جسم سے مفارقت (جُدائی) کی ہے، وہی ماں جو زمانہ علالت میں ہفتہ بھر شب و روز اس کا سر چھاتی سے لگائے بیٹھی رہی تھی آہستگی سے سر کو تکیہ پر رکھ کے ہاتھ ملتی ہوئی علیحدہ کھڑی ہوگئی تھی۔ باپ جس نے ۶ سال اُسے چھاتی پر سُلایا تھا ۶ گھنٹے بھی اپنے پاس نہ رکھ سکا، ہر ایک کی یہ کوشش تھی کہ جس قدر جلد ہو سکے اسے سپرد خاک کر دیں، چنانچہ رات ہی رات میں اُسے قبرستان میں جا کر سلا آئے، کسی نے اس کا بھی خیال نہ کیا کہ سنسان ویران جنگل میں اسے اکیلا کیسے چھوڑتے ہیں۔

آج وہی منظر تمہاری رخصت کے وقت پیشِ نظر ہے، تم ۱۷۔۱۸ سال اس گھر میں رہیں، ماں کی تابعدار، باپ کی اطاعت گزار، بھائیوں کی جاں نثار لیکن آج یہ سب چاہنے والے اس پر تُلے ہوئے ہیں کہ جلد تم اس گھر سے رخصت ہو جاؤ۔

تم ہر چاہنے والے کی طرف نظریں دوڑاتی، درو دیوار پر حسرت بھری نگاہیں ڈالتی ہو مگر ان کے جواب میں یہ نظر آتا ہے کہ کلیجے سب کے پھٹ رہے

ہیں، دل سب کے اُمنڈ رہے ہیں، آنکھوں سے سب کے سیلاب آنسوؤں کا جاری ہے مگر کوئی آگے بڑھ کر تمہیں چھاتی سے لگا کر یہ نہیں کہتا کہ آج ہم تجھے روک لیتے ہیں۔

بے بسی، لاچاری کی تصویر بنے ہوئے سب اسی اہتمام میں مصروف، اسی انتظام میں منہمک (کسی کام میں بہت مصروف) ہیں کہ جلدی سے تجھے ڈولے میں سوار کرادیں۔

ایک بوجھ ہے کہ کہیں جلد سر سے اتر جائے، ایک مصیبت ہے کہ جلد اس سے چھٹکارا مل جائے، مرنے والے کو رخصت کرتے ہوئے سب کہتے ہیں کہ اللہ مغفرت کرے، منزل اوّل کے پہنچانے کے بعد پھر اسکے متعلق کوئی بھلائی برائی کی بات ان کے کانوں میں نہیں پڑتی کہ بھلی باتیں سنکر خوش ہوں اور برائی کے حالات سن کر کڑھیں۔

تمہاری رخصت کے وقت بھی سب کی زبانوں پر یہی دعائیں ہیں، اللہ انجام بخیر کرے، نصیب اچھا ہو، جس گھر میں جارہی ہے سکھ اور چین کی زندگی گزارے۔

آج میکے سے تم ہمیشہ کے لئے بے تعلق ہوگئیں، اب سُسرال میں نئے سرے سے تمہاری زندگی کا آغاز ہوگا۔

لیکن یہ تمہاری وداع (رخصتی)، اے جان مادر ایسی ہے کہ سسرال سے تمہاری ہر بھلائی ہر بُرائی کی خبریں تمہارے چاہنے والوں کے کانوں میں پڑیں گی، تمہاری بھلائیاں سُن کر خوشی ہوگی، خدا کا شکر ادا کریں گے کہ ہماری پیاری بیٹی آرام، اطمینان، فراغت کی زندگی گذار رہی ہے، خدانخواستہ تمہارے متعلق ذرا بھی کوئی خلاف بات سننے میں آئی تو دل کا خون ہوگا، کلیجے پر آریاں چلیں گی، مگر یہ قدرت نہ ہوگی کہ کچھ امداد کریں، اس پر قابو نہ ہوگا کہ مداخلت کریں، بعض

بدنصیب ماں باپ نے اپنی لڑکی کے مرنے کی بھی آرزو کی ہے اور اسکے جوان مرگ پر طمانیت (اطمینان) کا سانس لیا ہے:۔

تمہارے کنبہ ہی میں ایک لڑکی عین عالمِ شباب میں رحلت کر گئی، میں اس کا نام مصلحتاً نہیں لکھتا، تم خود سمجھ جاؤ گی۔ سوگوار باپ، جاں نثار بھائی سرہانے موجود تھے، مرحومہ کا بھائی جب دیواروں سے سر پھوڑ رہا تھا باپ اس کا ہاتھ پکڑ کے الگ لے گیا اور سمجھایا کہ نادان یہ موت رنج کرنے کی نہیں، خوش ہونے کی ہے، اس جواں مرگ کی زندگی، خود اسکے لئے، میرے لئے اور تمہارے لئے بد تراز موت تھی، اس نے زندگی گنوا کر اپنی مصیبتوں کا ہی خاتمہ نہیں کیا سارے میکے کی مصیبتوں کا خاتمہ کر گئی۔

دنیا میں ایک حالت کو جلاپا کہتے ہیں اور ایک کو سُلگاپا۔

جلاپا تو یہ ہوتا ہے کہ جسم میں آگ لگ گئی ہے، چند گھنٹے چند دن جو جسم و روح کی مفارقت میں گذرے، سوزش کی تکلیف اٹھائی، ادھر دم نکلا اور ہر مصیبت، کرب، بے چینی سب ختم ہو گئیں مگر سُلگاپا (اللہ محفوظ رکھے) یہ کیفیت ہوتی ہے کہ جسم اندر ہی اندر سُلگ رہا ہے، جان نہیں نکلتی، کوئی مدت مقرر نہیں کہ کب اس روح فرسا (روح کو تباہ کرنے والا، خوفناک) کرب اور اس سوہان جاں سوز (ناگوارِ خاطر) کا خاتمہ ہوگا۔

اگر لڑکی کی قسمت اچھی ہے، سنجوگ (میل ملاپ۔ ملاقات) تقدیر سے اچھا ہوا ہے، وہ آرام اور چین میں ہے تو والدین کی خوش نصیبی میں بھی کوئی شبہ نہیں، لیکن خدا نہ کرے کسی سوختہ بخت (برے نصیب والے) کی لڑکی تکلیف میں ہے تو ادھر وہ سلگ رہی ہے ادھر ماں باپ اور سارے میکے والے انگاروں پر لوٹ رہے ہیں، اس سے نجات اسی دن ملے گی جب یہ تقدیر کی ہیٹی، قبر میں پہنچ

جائے، ایسی لڑکی کے مرنے کی بھی والدین کو خوشی ہوتی ہے۔ خیر یہ تو مبالغہ ہے۔ لیکن وہ طمانیت ضرور حاصل کرتے ہیں کہ ان کے کلیجے کی کسک مٹ گئی، ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک، دل کا چین خود مصیبتوں سے چھوٹ گئی، آنکھ پھوٹی، پیڑ گئی۔

جس لڑکی کا میں نے اوپر تذکرہ کیا ہے وہ اپنے سُسرال میں ایسی ہی سلگاپے کی زندگی گذار رہی تھی کہ خدا نے اس پر رحم کر کے اپنے دامنِ رحمت میں پناہ دے دی، باپ نے اسکے مرجانے ہی کو غنیمت سمجھ کر سکون واطمینان حاصل کیا۔

انسان اپنی تقدیر خود بناتا اور خود بگاڑتا ہے۔

لَيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى۔ (پ ۲۷ سورہ النجم آیت نمبر ۳۹)

پیدا کرنے والے کا فرمان ہے لیکن لڑکی کے متعلق تو یہ ارشاد اس قدر پیہم مشاہدہ میں آچکا ہے کہ دل اسکی صداقت کا معترف اور حقیقت سے متاثر ہے، جس لڑکی نے جاتے ہی کوشش کی، سُسرال میں راج کیا، جس نے غفلت، سہل انگاری، لاپرواہی برتی، ایسی ڈوبی کہ پھر نہ اُبھری۔

ایک اعتبار پر ہر لڑکی دوسرے گھر کی ذمہ داریوں کے سنبھالنے کے قابل تیار کر کے رخصت کی جاتی ہے ورنہ کیا ضرور تھا کہ سنِ شعور کا انتظار کیا جاتا، اسکو ہر ضرورت کے لئے جو نئے گھر میں پیش آتی ہیں ہر ممکن طریقہ پر آمادہ و مستعد کر دیا جاتا ہے، اس پر بھی اگر وہ اپنی ذمہ داریوں کو نہ سمجھے اور خود اپنے پاؤں میں کلہاڑی مارے تو قصور خود اس کا ہے۔

تمہارے لئے میں نے ایک چھوٹا سا کتب خانہ بہم پہنچا دیا تھا اور کتابیں وہی جمع کی گئی تھیں جن سے تم کو بصیرت و تجربہ حاصل ہو۔ تم نے پڑھا ہوگا کہ بعض لڑکیوں نے محض سلیقہ اور تدبیر سے اپنے سُسرال کی نکبت وغربت کو دولت مندی اور فارغ البالی میں تبدیل کر دیا، اپنی قابلیت واطاعت سے آوارہ مزاج اور اوباش

خاوندوں کو اپنا مطیع اور گھر گرہست بنالیا، ظلم کرنیوالی ساس نندوں کو ایسا رام کیا کہ دُلہن کے پاؤں دھو کر پئیں، انسان اگر چاہے تو کیا نہیں کرسکتا، ہمت میں برکت ہے، خلوص سے جو کام کیا جاتا ہے منجانب اللہ اس میں مدد ہوتی ہے، خزاں کے بعد ہی موسم بہار کا لطف ہے، تکلیف اٹھا کر انسان راحت کی قدر کرتا ہے۔

خانہ داری میں سب سے کٹھن معاملہ شوہر کے وسائلِ معاش کا اندازہ کرنا اور اپنے مصارف کو اس کے اندر محدود کرنے کا ہے۔

مرد کے ذمہ کمانا اور عورت کے ذمہ اس کو بطور مناسب خرچ کرنا ہے، پھر یہ آمدنی کہیں ضرورت سے زیادہ ہوتی ہے، کہیں صرف بقدر ضرورت اور کہیں ضرورت سے بھی کم، ایک باپ کی اولاد میں ایک دولتمند ہے، دوسرا محتاج، ایک بھائی کے یہاں دُودھ کی نہریں بہتی ہیں دوسرے کی اولاد کو چھاچ بھی میسر نہیں۔

رزق کی تقسیم خدا نے اپنے قبضۂ قدرت میں رکھی ہے اور اس کی مقدار بھی اپنی مرضی اور مصلحت پر ہی منحصر ہے، ہر انسان وسعتِ رزق کی کوشش کرتا ہے مگر یہ اختیار میں نہیں کہ حاصل بھی کر لے۔

قبل از وقت بیش از قسمت نہیں ملتا، بالکل سچ ہے۔

سمجھدار عورت کی نظر اپنے شوہر کے وسائلِ معاش پر رہتی ہے۔ جب تک وہ ماں باپ اور بھائیوں کا دست نگر ہے بیوی کبھی شوہر سے فرمائشیں کر کے اُسے دق (تنگ) نہیں کرتی۔

ہر شوہر اپنی بیوی کو اچھا پہنا کر اچھا کھلا کر خوش ہوتا ہے لیکن اگر اسکے پاس روپیہ نہیں ہے تو وہ خود ہی اس غم میں مبتلا اور اس فکر میں گھل رہا ہے، ناسمجھ عورت اور فرمائشیں کر کے اسکے افکار میں اضافہ کرتی اور اپنے شوہر کے لئے ایک مصیبت بن جاتی ہے۔

گھر میں وہ دیکھتی ہے کہ دوسرے بھائیوں کی بیویاں اُس سے اچھا لباس پہنتی ہیں، زیور میں لدی ہیں، خرچ کرنے کو روپیہ پیسہ کی بہتات ہے، یہ کم عقل بھی انکی ریس کرنا چاہتی ہے، یہ نہیں دیکھتی، اسپر غور نہیں کرتی کہ ان بیویوں کے شوہر کیا کماتے ہیں اور اس کا میاں کیا کماتا ہے، تم جس کے پلے باندھی گئی ہو اُس کی کمائی میں بے شک تمہارا حصہ ہے، دوسرے کی کمائی پر تمہارا کیا حق ہے۔

خدا سے دعا کیا کرو کہ تمہارے شوہر کے وسائل رزق میں وسعت دے پھر تم بھی گلچھرے اُڑالینا۔

کسی کا اچھا زیور، کسی کا اچھا کپڑا دیکھ کر کوھنا حسد ہے جو خدا کو بھی پسند نہیں۔

تم اپنے سے اچھی حالت والوں کو دیکھ کر کیوں کڑھتی ہو، اپنے سے کم درجہ والوں کی حالت دیکھ کر خدا کا شکر کیوں نہیں ادا کرتیں۔

اکثر اللہ کی بندیاں ہیں کہ انہیں رہنے کو گھر میسر نہیں، تم کو اگر با آسائش مکان مل گیا ہے تو کیا تم پر واجب نہیں کہ خدا کا شکر کرو۔

تم جٹھانی کے اطلس کے پائجامے کو دیکھ کر جلتی ہو کہ ہمارے پاس تو چھینٹ ہی کا پائجامہ ہے مگر یہ نہیں دیکھتیں کہ تمہارے کنبہ ہی میں کتنی لڑکیاں ایسی ہیں کہ چوٹی سے ایڑی تک طرح طرح کے پیوند لگا کر اپنی ستر پوشی کرتی ہیں۔

وہ تم سے کس بات میں کم ہیں، وہ بھی خدا کی بندیاں ہیں، وہ بھی کسی باپ کے کلیجے کی ٹھنڈک اور کسی ماں کی آنکھوں کا نور ہیں، وہ بھی کسی ناز بردار شوہر کی ناز آفریں بیوی ہیں، اللہ نے ان سے زیادہ تم کو دے کر تم پر احسان کیا، اس کا شکر ادا کرنے کی تمہیں توفیق نہیں ہوتی، اُلٹا اسکی نعمتوں کی ناقدری کرتی ہو۔

تمہیں اور تمہارے شوہر کو اگر اللہ پاک نے صحت دی ہے تو ایک یہی وہ نعمت ہے کہ دن رات شکر ادا کر کے بھی تم اسکے حق نعمت سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتیں۔

جنتی زیور اور عورتوں کی حکایات میں تم نے نیک بیبیوں کے حالاتِ زندگی پڑھے ہیں اب بھی اُن کو مطالعہ میں رکھو اور اُن سے نصیحت اور عبرت حاصل کرو۔

ایک نوجوان لڑکی کا شوہر بڑا ہی نیک اور با محبت تھا، شادی سے ایک سال کے اندر غریب کی بینائی جاتی رہی، اس کی بیوی نے کیا کیا کہ ساری زندگی اپنی محنت سے کما کما کر اسکو کھلاتی رہی، کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لائی، ہمیشہ نیک اور باعصمت اور وفادار رہی۔ ایک بیوی کا شوہر دہلی میں تارکشی کا کام کرتا تھا، روپیہ ڈیڑھ روپیہ روز کی مزدوری سے میاں بیوی فراغت اور اطمینان کی زندگی گذارتے تھے۔

خدا کی مرضی عید کے تیوہار (تہوار) پر میاں ادائے نماز کے لئے عید گاہ گئے، واپسی میں کسی موٹر کی لپیٹ میں آگئے، جان تو بچ گئی مگر نقل وحرکت کے قابل نہ ہوئے، کچھ دنوں زمانہ فراغت کا بنایا ہوا زیور، اسکے بعد گھر کے برتن بک کر کام چلتا رہا، مگر جب آمدنی پیسہ کی نہ ہو اور روح وجسم کا تعلق قائم رکھنے کو دونوں وقت نہ سہی ایک ہی وقت دوزخ شکم میں کچھ نہ کچھ ڈالنا ضروری ہو تو کہاں سے آئے۔

وہ بی بی جس نے دہلیز کے باہر قدم نہ رکھا تھا مجبور ہوئی کہ ماما گیری (خدمت گاری کا پیشہ) کر کے اپنے اور اپنے شوہر کی ضروریات زندگی پوری کرے۔

بہتر کھانا، بہتر کپڑا جو میسر آتا، شوہر کے لئے ہوتا اور خود موٹا جھوٹا کھاتی اور اسی سے تن ڈھانکتی مگر میاں کی خدمت گذاری و راحت رسانی میں اپنی ذاتی آسائش کی کبھی پرواہ نہ کرتی، اور ممالک میں چاہے نہ ہوں مگر ہمارے ہندوستان میں آج بھی اس قسم کی لاتعداد مثالیں مل سکتی ہیں۔

نانا امام رضا صاحب اور اُن کی بیوی الطافن تو تمہیں یاد ہوں گی، خدا دونوں کو غریقِ رحمت کرے، ایک بار وہ کئی مہینے تمہارے گھر مہمان رہ گئے ہیں۔

میاں ساری عمر میں روپیہ ماہانہ کے سپاہی رہے، اسی کمائی میں صبر و شکر کے ساتھ آبرو لئے گھر میں بیٹھے رہے، عزیزوں میں سبھی کھاتے پہنتے تھے، کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلایا، مگر آخر عمر میں کبرسنی کی وجہ سے وہ نوکری بھی قائم نہ رہی، اس پر مستزاد یہ ہے کہ چرخہ کات کر، سلائی کر کے میاں کی آنکھیں بنوائیں مگر قدرتِ خدا کہ روشنی واپس نہ آئی، مزاج کے ہمیشہ سے جھلے تھے مگر آخر عمر میں تو ایسے تنگ مزاج ہو گئے تھے کہ چار دن کہیں ٹھہر جائیں تو میزبان کو دُوبھر ہو جائیں، حُقّہ کی ایسی لت کہ چلم ٹھنڈی نہ ہو، پان کا عمل ہر وقت جاری، بیوی کو دمہ کا دورہ پڑ رہا ہے اس حالت میں بھی کہ ہر حرکت پر جان پر بنتی تھی بیچاری رات بھر میاں کی چلمیں بھرتی تھی، ہاتھ پکڑ کے قضائے حاجت کو لیجاتی، نوالے بنا بنا کر کھانا کھلاتی، دن رات خدمت کرتی اور انہیں آرام پہنچانے کی فکر میں لگی رہتی، اس پر بھی بے قصور صلواتیں سنتی اور دم نہ مارتی، کبھی اُلٹ کر جواب نہ دیا، کبھی کسی کے سامنے میاں کا شکوہ یا تقدیر کا دکھڑا رونے نہ بیٹھیں، میاں کے مرنے کا وہ صدمہ کیا کہ چھ ماہ کے اندر اُن کی پائنتی جا سوئیں۔

یہ بیبیاں ہیں جو مرتے ہی جنت میں داخل ہوں گی، جنت انہیں کے لئے آراستہ ہوئی اور انہیں کی میراث ہے۔

پہلے لکھا جا چکا ہے کہ مرد کمائی کرتا ہے عورت اس کو کفایت کے ساتھ خرچ کرتی ہے۔ مرد کم تر ایسے ہوں گے کہ مال اندیش ہوں اور کچھ پس انداز کر سکیں لیکن عورت میں یہ جوہر ضرور ہونا چاہئے کہ گھر کی آمدنی میں سے کچھ نہ کچھ ضرور پس انداز کرے۔

آج تم تنہا ہو، کل خدا اولاد دے گا۔لڑکوں کی تعلیم، لڑکی کی شادی میں روپیہ کی ضرورت ہوگی، اور یہ تو خیر ایک مدت کے بعد ہوگا، گو ہوگا ضرور، تو اسکے لئے کس کے آگے ہاتھ پھیلاتی پھروگی، بیکاری اور بیماری تو ایسی باتیں ہیں جن کا کوئی وقت ہی مقرر نہیں، اپنی گرہ کا پیسہ بہت کام آتا ہے، سمجھدار عورتیں کبھی اس میں غفلت نہیں کرتیں۔

مگر بیٹی پیسہ جب ہی جمع ہوتا ہے جب اپنی ضروریاتِ زندگی کو مختصر اور محدود کیا جائے، چٹوری زبان دولت کا زیاں کرتی ہے، یہ فقرہ تم نے اردو کی کتاب میں پڑھا ہوگا، جو لڑکیاں زبان کے ذائقہ کی حریص ہوتی ہیں ان کے پاس کبھی پیسہ جمع نہیں ہوسکتا۔

لباس کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے کہ اسے جتنا چاہو بڑھالو، جتنا چاہو مختصر کرلو، تمہارے کپڑوں کے صندوق اٹے پڑے ہوں اور دل میں قناعت نہ ہو تو روز دل کا تقاضہ ہوگا کہ اور بناؤ، نئی نئی وضع کے کپڑے آتے ہی رہتے ہیں، کبھی سیری نہیں ہوسکتی، لیکن اگر یہ سمجھ لو کہ لباس کا مقصد ستر پوشی ہے، صندوق میں بند ہونا یا بند کرنا نہیں ہے تو پھر یہ معاملہ بہت ہی اختصار اختیار کرلیتا ہے۔

اپنے گھر میں سُگھڑ (خوش سلیقہ۔ تمیزدار، ہنرمند) بیبیاں کبھی نئے کپڑے کو بلا اشد ضرورت استعمال نہیں کرتیں، اُن کے دو چار جوڑے نئے ضرور محفوظ رہتے ہیں کہ کہیں آنے جانے کے وقت خجالت نہ ہو، سب دن چنگی تیوہار کے دن ننگی، ایسی ہی عورتوں کے لئے کہا گیا ہے کہ گھر میں تو چوتھی کی دلہن بنی ہوئی تھیں، کہیں کسی تقریب میں شرکت کا موقعہ آیا تو صندوقوں میں خاک اُڑ رہی ہے، اب میاں کا ناطقہ بند کیا جا رہا ہے کہ میں تو یوں ننگی لچی باجی کے لڑکے کی تقریب میں ہرگز نہ جاؤں گی۔

میاں کنبہ کی تقریب میں صاحب تقریب کے گھر کے لئے ہی (سوچ وبچار، غوروفکر) اُدھیڑبُن میں تھا کہ کہاں سے لاؤں، کیا کروں،

یہ دوسری تقریب نکل آئی۔

خیر گھر میں اگر روپیہ کی بہتات ہے اور ضرورت پر کپڑا آ بھی گیا تو یہ دردسری کیا کم ہے کہ اب اُسے سیو، رنگو، چنو، جب کہیں ڈولی میں پاؤں رکھو، میزبان کے گھر سے نائن پر نائن آ رہی ہے، کہار دروازے پر گھٹنوں سے غل مچا رہے ہیں مگر یہاں بی بی صاحبہ کا ابھی لباس ہی درست نہیں ہوا۔

اور اگر وقت پر اہتمام نہ ہو سکا تو یا تو منہ چھپا کر گھر میں بیٹھنا پڑا یا شریک ہوئیں تو اب کسی سے آنکھیں چار نہیں کر سکتیں، خود جو دل میلا کیا، شوہر کو جو صدمہ پہنچا یا وہ تو ایک جُدا ہی معاملہ رہا۔

ہر بیوی کو ہر ایک چیز سلیقہ اور اہتمام سے استعمال میں لانا چاہئے، اپنا منہ صاف کرنے کو روزانہ تولیہ استعمال کیا جاتی ہے، مگر جب کوئی مہمان آ گیا اور میاں نے باہر سے تولیہ منگایا، کٹھری میں کوئی صاف تولیہ نہیں، ایک گرہست بیوی کے لئے کیسے شرم کی بات ہے، اپنے گھر میں تم اگر گاڑھے کا رومال ہی استعمال میں رکھو تو کیا برائی کی بات ہے، گھر میں ایک دو تولیہ صاف رہنا ازبس ضروری ہے، ایک بھرے پورے گھر میں کسی اتفاقیہ مہمان کے لئے صاف بستر کا بہم نہ پہنچانا غور تو کرو تمہارے میاں کے بلئے کیسی خجالت (شرمندگی) کا سبب ہو سکتا ہے، بیوی اگر ان باتوں کا خیال نہ رکھے تو کیا میاں اس کا انتظام کر سکتا ہے۔

مرد دن بھر کے کام کاج کے بعد خستہ و ماندہ اس نیت سے گھر میں آتا ہے کہ اسے سکون و آرام ملے گا۔

ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ باہر کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہو جس نے مزاج میں جو غصہ اور طبیعت میں چڑچڑاپن پیدا کر دیا ہو۔

وہ بڑی ہی ناسمجھ عورت ہے جو میاں کے انداز و حرکات سے یہ نہیں پہچان

سکتی کہ وہ معمولی حالات میں واپس آیا ہے یا آج انداز غیر معمولی ہیں۔
سمجھدار عورتیں مرد کے آنے سے پہلے اُن کی ضروریات کا انتظام کر رکھتی ہیں اور آتے ہی ایسے تپاک سے اس کا خیر مقدم کرتی ہیں کہ وہ باغ باغ ہو جاتا ہے۔
جب تک یہ اطمینان نہیں ہو جاتا کہ مزاج درست ہے گھر کی کسی ضرورت، کسی واقعہ کا تذکرہ شوہر سے نہیں کرتیں۔
شوہر کے لباس کے متعلق، معمولی دیکھ بھال، یا معمولی فروگذاشت بھی عورت کی زندگی اور زن وشوہر کے تعلقات باہمی پر بہت ہی اثر انداز ہوتی ہے۔
کہنے کو ایک بے اصل بات ہے کہ میاں کے کوٹ کا ایک بٹن ڈھیلا ہو گیا تھا، بیوی خیال کرتی تو ایک لحظہ میں دو ٹانکے لگا کر اس کو محفوظ کر سکتی تھی، مگر اس نے پرواہ نہ کی، دوسرے دن بٹن گر گیا۔
شوہر کو پہلی بار احساس ہوا کہ بیوی میرے لباس کی دیکھ بھال میں لاپرواہی کرتی ہے، یہ بگاڑ کی بنیاد قائم ہو گئی، پھر بٹن جو دو آنے میں خریدا گیا کیا یہ تنہا میاں کا نقصان ہوا یا بیوی کی گرہ (جیب) سے بھی کچھ گیا۔
مرد تو اس قسم کے مصارف کی پرواہ نہیں کرتے مگر کفایت شعار بیوی اس کو اپنا ذاتی نقصان سمجھتی اور پچھتاتی ہے کہ اگر آج میں غفلت نہ کرتی اور یہ دو آنے بچ جاتے تو میاں کیلئے ایک جوڑا جراب ہی آجاتے یا پہننے کی ٹوپی کا پھندنا ٹوٹ گیا تھا وہی منگا دیا جاتا۔
روزانہ زندگی کی یہ بہت ہی معمولی باتیں جس طرح محبت واعتماد میں اضافہ کر سکتی ہیں اسی طرح کدورت (رنجش۔ آزردگی) و بے اعتمادی کا سبب بھی بن سکتی ہیں۔
خوش نصیب ہیں وہ بیبیاں اور صد ہزار آفریں کے قابل ہیں وہ لڑکیاں جو ذرا ذرا سی بات میں اپنی ذمہ داریوں کا احساس رکھتی اور کسی وقت بھی غفلت و

لاپرواہی کا الزام اپنے سر پر نہیں آنے دیتیں۔

ارادہ ہرگز اتنا لکھنے کا نہ تھا، مگر بات میں سے بات نکلتی رہی اور میں باوجود کوشش اختصار بھی اتنا لکھنے پر مجبور ہو گیا۔

یہ تو مبالغہ ہوگا کہ میں نے سب کچھ لکھ دیا، زندگی بیشک چندروزہ ہے مگر یہ چندروزہ زندگی ایسے بکھیڑوں، ایسے جھمیلوں (جھگڑا، بکھیڑا) یا ایسے کھڑاکوں سے بھری ہوئی ہے کہ ان کا سمیٹنا، ان کا یکجا کرنا دشوار ہی نہیں غیر ممکن ہے۔

یوں تو ہر ایک کی زندگی کا چھوٹا سا واقعہ بھی دوسرے کی زندگی سے مطابقت اور یکسانیت نہیں رکھتا۔

میں اپنے خیال میں ایک رنگ پر اظہار مدعا کروں، وہاں وہی واقعہ کسی دوسرے رنگ میں پیش آئے یا اسکے بجائے کوئی دوسری صورت پیدا ہو تو میری یہ محنت اکارت (ضائع) ہی گئی، تمہارے کس کام آئی۔

لیکن ہاں ان اوراق میں میں نے جو کچھ لکھا ہے کلیات کے اعتبار پر اس میں وہ سب کچھ آگیا ہے جو میں لکھنا چاہتا تھا جزئیات کا تجزیہ نہ ممکن تھا نہ میں کرسکتا تھا نہ اسکی ضرورت ہی تھی، بلقیس کو میں نے کونسی کتاب لکھ کر دی تھی اور کون باپ اپنی بیٹی کو پند (نصیحت، ہدایت) نامہ کی جلدیں جہیز میں دیتا ہے!

میں نے محض اپنے جذبات محبت کی تسکین کے لئے اسے لکھا ہے، یہ تمہاری سعادت مندی ہوگی کہ میری محنت، میری محبت کی قدر کرو، اس کو مطالعہ میں رکھو اور اس پر عمل کرنے کی بھی کوشش کرو۔

جس دل سوزی، جس فرمانبرداری، جس عقیدت سے اے پیاری بیٹی تو نے ماں باپ کی اطاعت، بہن بھائیوں کی خدمت کی ہے ہر بنِ مو (بال کی جڑ) اس کا معترف و مشکور ہے، آنکھیں تجھے ڈھونڈ ھیں گی، دل تیرے لئے تڑپے گا، وہ کام جو

تو نے اپنی سعادتمندی سے اپنے ذمہ کر لئے ہیں ہر آن تیری یاد دلائیں گے۔

بلقیس کی رخصت پر یہ کہہ کر تسکین دی تھی کہ ابھی فاطمہ تو آنکھوں کے سامنے ہے۔

ایک جاتی ہے گھر ایک سے آباد رہے گا، ماں باپ کا دل فاطمہ سے شاد رہے گا، اے فاطمہ! سوگوار والدین آج کیا کہہ کر اپنے دل کو سمجھائیں؟

تو عزم سفر کردی دختی جگر ما

بستی کمر خویش دشکستی کمر ما

جان سے پیار بیٹی فاطمہ!

آج ماں باپ، بہن بھائیوں اور تمام میکے والوں سے خوب گلے مل کر رخصت ہو لے، جی بھر کر اس کمرہ، اس صحن، اس مکان اور اسکے در و دیوار کو دیکھ لے کہ آج کے بعد تیرا کوئی تعلق ان سے نہیں رہا۔

اب اگر تو ان میں سے کسی سے ملی بھی تو پھر جدا ہونے کے لئے اور اس گھر میں آئی بھی تو چند روزہ مہمان کی حیثیت سے۔

بھول جا، کہ دنیا میں تیرے ناز بردار ماں باپ بھی ہیں، فراموش کر دے کہ تو پانچ بھائیوں کی بہن ہے۔

ہاں مظلوم اور معصوم بچی ان میں سے کوئی تیرا ساتھ آنے والی زندگی میں نہیں دے سکتا، تو در جنوں عزیز رکھتے ہوئے بھی آج نئی زندگی کی پہلی منزل میں یکہ و تنہا چلنے پر مجبور ہے اور اسی طرح تنہا یہ سارا سفر تجھے طے کرنا پڑے گا۔

اب اگر تیرا کوئی مددگار، حامی، حافظ و ناصر ہے تو وہی ذات جس نے تجھے پیدا کیا، پروان چڑھایا، ماں باپ کے دل میں تیری محبت پیدا کی، وہی ان کے دلوں میں بھی جن سے تجھے واسطہ پڑنے والا ہے محبت والفت پیدا کرنے پر قادر ہے۔

میکہ کا مکان اور اُس کا نقشہ اپنے دل سے محو کر دے، اب تیرا مکان زندگی

بھر کے لئے وہی ہے جہاں تو جارہی ہے اور تیرے سرپرست، ہمدرد، اور خیر خواہ وہی لوگ ہیں جن کے سپرد تجھے کیا گیا ہے۔

جا اے باپ کی آنکھوں کے نور، ماں کی نظر کی پتلی، میکے والوں کی لاج، ماں باپ کی شرم اب تیرے طرزِ عمل پر منحصر ہے۔

رخصت ہو، اے دل و جان سے پیاری، آنکھوں سے دُور ہونے پر بھی تو ہمارے دلوں میں بسی ہوئی رہے گی، ہماری بہترین دعائیں تیرے ساتھ ہیں۔

اے میکے کو سنسان کر کے جانے والی! خدا تجھ سے سُسرال کا گھر آباد کرائے۔

اے بھولی بھالی بچی! خدا تیرا حامی و مددگار ہو، عنفوانِ شباب (جوانی کا آغاز) میں جس گھر میں جارہی ہے خُدا بوڑھا کر کے چوکھٹ سے تیرا جنازہ نکالے۔

جن ہاتھوں نے آج تجھے ڈولے میں سوار کیا ہے وہی تیری چارپائی کا پایہ پکڑ کے تجھے گورستان لے جائیں اور اپنے ہاتھوں سے تجھے آخری آرام گاہ میں سلائیں۔

اے فاطمہ! سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے تصدق میں تیری زندگی کنیزانِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شایانِ شان گزرے جس عزت و آبرو کے ساتھ آج میکے والے تجھے رخصت کر رہے ہیں اسی طرح تیرے سُسرالی خاندان کے اراکین محزوں دل اور اشکبار آنکھوں سے تیری تدفین میں شریک ہوں، تیری ذات پر فخر کریں۔

پیاری بچی! ماں باپ کی دعائیں اگر کوئی تاثیر رکھتی ہیں تو ہم اللہ بزرگ و برتر سے اس کی توقع رکھتے ہیں کہ تو دنیا میں شادکام ہوگی اور آخرت میں کنیزانِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے زُمرہ میں محشور۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

حبیب الحسن قادری عفی عنہ

☆☆☆☆